

لہلہ

لاہور

ماہنامہ

وَلَا تَقُولُوا إِنَّمَا يُقْتَلُ فِي
سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتٌ طَبَّالٌ
أَحْيَاءٌ وَلَكِنَّ لَا تَشْعُرُونَ

اگست 2022ء۔ محرم الحرام 1444ھ

جلد 30 گل 2022ء

شمارہ 08

هر پاہ ملکا بزمِ شوق اور طہام

2	محمد شفیع نظر، ہاشم ضیائی	نعت شریف و منقبت	1
3	سید ریاض حسین شاہ	گفتگی و تاکفی	2
9	سید ریاض حسین شاہ	تبصرہ و تذکرہ	3
13	حسنات احمد مرتضی	درس حدیث	4
15	حافظ خی احمد	شانِ امام حسین رضی اللہ عنہ	5
26	سید ریاض حسین شاہ	ہدیہ حروف	6
27	سید ریاض حسین شاہ	حکمت قرآن	7
29	ڈاکٹر محمد اظہر نعیم	حضرت خواجہ محمد جشید رحمۃ اللہ علیہ	8
32	محمد امین شرپوری	شهادت عظمیٰ	9
36	بابا فرید الدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ	ذیشانِ کلیم معصومی	10
38	سید ریاض حسین شاہ	سابل نور	11
39	ماشراحتان الہبی	صحیح پڑھو قرآن، شام پڑھو قرآن	12

مشیر ادارت

ڈاکٹر رضا فاروقی

مجلس اعزاز

- علامہ حافظ انور محمد بن دیالوی
- محمد نواز کھرل
- سید قیصر عباس شاہ
- حافظ خی احمد
- انجینئر فرازا حمید
- حافظ محمد زبیر اخوان
- ارشد محمدوارشاد
- احمد شریف • شیخ محمد راشد

ادارتی معاونین

- ابو حیی الدین
- ڈاکٹر منظور حسین اختر
- طالب حسین مرزا
- خادم حسین مرزا
- حافظ محمد عفان منظور

قیمت فی شمارہ

30 روپے

سالانہ خریدار بمعہ ڈاک خرچ

= 450 روپے

بیرون ملک سالانہ

150 ڈالر، 80 پونڈز

رابطہ دفتر: اتفاق اسلامک سنٹر، ایچ بلک، ماؤنٹ ٹاؤن، لاہور فون: 0322-4301986، 042-35838038
 ہیڈ آفس: ادارہ تعلیمات اسلامیہ سیکٹر نمبر 3، خیابان سر سید راولپنڈی فون: 051-4831112



امام الانبیاء



سراج السالکین نہش الصحنی بدر الدلیل تم ہو
امیر المرسلین تم ہو امام الانبیاء تم ہو
تمہیں تو ہو وجود رحمت عالم مرے آقا
سہارا بیکسوں کا لاداؤں کی دوا تم ہو
ملائک جن و انس سب خدا کا نام لیتے ہیں
وہ جس کا نام لیتا ہے خدا نام خدا تم ہو
یہ سب کچھ جان کر بھی جاننے سے عقل قاصر ہے
حبابِ نیم اٹھ جائے تو واضح ہو کہ کیا تم ہو
سوا اللہ کے کوئی سمجھ سکتا نہیں جس کو
خدا شاہد مرے آقا وہ سر ز بے بہا تم ہو
نظر آئے جمال کبریا دیدار سے جس کے
قسم اللہ کی وہ مظہر نور خدا تم ہو

محمد شفیع نظر

شہدائے کربلا

شب اسرا ادھر رحمت کے بادل چھائے جاتے ہیں رخ پر نور سے گیسو ادھر سرکائے جاتے ہیں
علی کے ماہ پارے کربلا میں پائے جاتے ہیں اصل کی گود میں تارے سمٹ کر آئے جاتے ہیں
کہاں صحراۓ غربت اور کہاں زہرا کے گل بوئے ہواۓ دشت سے یہ پھول کملائے جاتے ہیں
یزیدی فتنہ گر آ مادہ بیداد ہیں پیغم مدینہ سے غضب ہے فاطمہ کے جائے جاتے ہیں
جمال قاسم و اکبر کے جلوے ہیں جو ضوافشاں فضاۓ نور میں نہش و قمر شرمائے جاتے ہیں
علمبردار ہیں عباس کیا شانِ جلالت ہے کلیجے خوف سے اشرار کے تھرائے جاتے ہیں
ہے وقت جنگ بھی تبلیغ ہر گام پر جاری رموزِ معرفت حضرت عیاں فرمائے جاتے ہیں
رہ عشقِ الہی میں یہ جذبہ ہے شہادت کا جوانانِ حرم میداں میں سرکٹوائے جاتے ہیں
نشاط روح کا ساماں ہے حب پنجتن ہاشم
ترانے عشقِ سبطین نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے گائے جاتے ہیں

ہاشم ضیائی



بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

دین است حسین دیں پناہ است حسین

اہل بیت اطہار کا مقام سمجھیے !!!

قرآن حکیم کہتا ہے:

”کیا یہ بات تمہارے علم میں ہے کہ اللہ کے نزدیک پاکیزہ بات کی مثال پاکیزہ درخت کی ہے جس کی جڑیں زمین میں مضبوطی کے ساتھ گڑی ہوں اور شاخیں آسمان کو چھوٹی ہوں اور یہ درخت اپنے رب کی مراد کے مطابق ہر موسم میں پھل دیتا ہو۔ اللہ اس طرح کی مثالیں اس لیے بیان کرتا ہے کہ لوگ راہ پر آجائیں اور گندی بات کی مثال ایسے خبیث درخت کی ہے جو سطح زمین پر اکھڑا پڑا ہوا اور اسے کوئی استقامت میسر نہ ہو۔“

حضور ﷺ کا خاندان ”شجر طیبہ“ ہے۔ ان کی باتیں پاکیزہ ہیں، ان کی ہر دعوت، پیغام، دعا اور خطاب پاکیزہ درخت کی جڑوں کی طرح مضبوط اور مستحکم ہے۔ ان کی عظمتوں اور فضیلتوں کی تراویث شاخیں آسمان کو چھوٹی ہیں، اس لیے کہ ان کی سند بلا واسطہ رسول رحمت ﷺ سے چلتی ہے۔ ان کا خون، ہڈیاں، زبان اور حسب و نسب رب کبریا کی مراد کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس عظمت مآب درخت کے پھول ہر دور میں شگفتہ رہتے ہیں اور ہر موسم میں پھل دیتے ہیں۔ ان کے مخالفین کا شجرہ خبیثہ یزیدیت سے پھوٹتا ہے جو کل بھی اور آج بھی زمین پر اکھڑا پڑا ہے اور ان کے مخالفین کو ادھرنہ ادھر، قرار نہیں۔ ان کی فضیلت سمجھیے پوری امت رسول بقا کی سانسوں کے ساتھ ان پر درود وسلام پڑھتی ہے۔

اہل بیت اطہار کا پیغام سمجھیے!!!

قرآن حکیم کی ایک خوبصورت آیت کا مفہوم ہے:

”کیا لوگوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ انہیں اس وجہ سے معاف کر دیا جائے گا کہ انہوں نے منہ سے کہہ دیا ہے کہ ہم ایمان لے آئے ہیں اور ان کا امتحان نہ لیا جائے گا بلکہ ان سے پہلے کے لوگ بھی آزمائے گئے لہذا ان کا بھی امتحان لیا جائے گا تاکہ اللہ کھول دے کہ ان میں سے سچا کون ہے اور جھوٹا کون؟“؟

قرآن حکیم پڑھنے والوں نے بہر حال تلاش کرنا ہوتا ہے کہ سچا کون اور جھوٹا کون ہے؟ معطی فطرت کر بلا نیک سجا تا ہے، مقتل قائم کرتا ہے، مصائب کی آندھیاں چلتی ہیں اور مشکلات کے طوفان اٹھتے ہیں، لاشے گرتے ہیں، اجسام دونیم ہو کر تڑپتے ہیں، شہادتیں قائم ہوتی ہیں، کربلا کا مقتل امتحان دیکھ کر، شب مقتل کی مناجات سن کر، کاروان غریبیاں کی آبلہ پائی دیکھ کر، ارمانوں کے سفینے ڈوبتے دیکھ کر، بیٹوں، عزیزوں، بھائیوں اور روحانی مریبوں کی لاشوں کے انبار دیکھ کر اور برچھیوں، بھالوں اور نیزوں کی نوک پر نامدار مظلوموں شہیدوں کے سرد دیکھ کر کیا اندازہ نہیں ہو جاتا کہ سچا کون ہے اور جھوٹا کون ہے؟

آل نبی اور اولاد علی کے لیے یہ کافی ہے کہ تابہ قیامت صداقت اور سچائی کا علم ان کے ہاتھ میں تھما دیا گیا ہے، سچائیوں کے اس خوبصورت قافلے پر سلام اور جھوٹوں پر لعنت

إِنَّا أَعْطَيْنَاكَ الْكُوْثَرَ ۗ فَصَلِّ لِرِبِّكَ وَانْحِرْ ۗ إِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْأَبْتَرُ ۗ

اہل بیت اطہار کی تاریخ جانیے!!!

قرآن حکیم کا وقیع، مستند اور معتمد بیان ہے:

”نہیں ہے سوا اس کے کہ ارادہ کر لیا ہے اللہ نے کہ دور رکھے ہر گند کو“ اہل بیت ”تم سے اور صاف ستر اکر دے تمہیں حد درجہ زیادہ صاف ستر اکر دینا“۔

قرآن حکیم کی روشنی میں ہر قاریٰ قرآن کو بہر حال سمجھ لینا چاہیے کہ جہاں رسول بیٹھیں وہ نور کا گھر ہوتا ہے اور جہاں کفر بے وہ نار کا گھر ہوتا ہے۔ وہ گھر جس میں حضور کی بیٹی رہے، نواسے بسیں اور بیویاں زندگی گزاریں وہ نور ہی کے گھر ہیں۔ بیویوں سے پہلے بھی نور کے گھر موجود تھے اور بیویوں کے آنے کے بعد بھی نور کے گھر موجود رہے۔ نور گھر دیکھ کر نہیں آتا بلکہ رسول کا گھر دیکھ کر آتا ہے۔ پاکیزگی کی سند نبی کے سارے گھر والوں کے لیے ہے ہاں عبرتیں تو“ کفر گھروں“ میں ہیں۔ قرآن جنہیں ”تاریخ بوت“ سے بھی زیادہ کمزور، نابود اور بر باد قرار دیتا ہے۔ کافر فرعون ہو یا نمرود یا پھر یزید سب کے گھر بر باد ہیں۔ سلام نبی کے گھرانے والوں پر جن کی تاریخ طہارت اور پاکیزگی کی تاریخ ہے۔

اہل بیت اطہار کے ہاں ”بیعت“ کی اہمیت سمجھیں!!!

قرآن مجید کے بیان پر راویوں کی پرکھ کھٹک نہیں کی جاتی یہ صحیفہ معتمدہ اور محفوظ ہے۔ اس کا بیان ہے:

”اے اہل ایمان! جب عورتیں ہجرت کر کے تمہارے ہاں آئیں تو ان کا محاسبہ کرو، بے شک ایمان کا اصل علم تو اللہ ہی کے پاس ہے لیکن تم بھی انہیں صاحب ایمان پاو تو اپنے یہاں جگہ دو۔۔۔!!

”اے نبی! جب مومن عورتیں آپ کی بیعت کرنے آئیں اور یہ وعدہ کریں کہ وہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرا سکیں گی، چوری نہیں کریں گی، زنا سے باز رہیں گی، اپنی اولاد کو قتل نہیں کریں گی، ایک دوسرے پر افتر انہیں کریں گی، تمہارے معروف احکام کی اتباع کریں گی تو آپ ان کی بیعت کو قبول کریں اور ان کے لیے اللہ سے طلب مغفرت کریں۔“

بیعت اتنی ضروری چیز ہے جو نبوی معاشرے کے اندر عورتیں بھی کرتی تھیں۔ اب آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ مردوں کے لیے بیعت کرنا کتنا ضروری ہے لیکن بیعت بخت والے ہی کرتے ہیں، بے نصیب شخص کو اس شجر طوبی کا پھل نہیں مل سکتا، ہاں بیعت پا کیزگی پر ہونی چاہیے، پا کیزہ لوگوں کی ہونی چاہیے اور پا کیزہ امور کی انجام دہی کے لیے ہونی چاہیے اور یہ بھی کہ محاسبہ بیعت کا حصہ ہے حضور ﷺ کی آل اور اولاد نور کے سرچشمے پر بیٹھی تھی وہ حضور ﷺ کے وجود انور کا حصہ تھے، نورانی کہکشاں میں ان کا طواف کرتی تھیں، قوسِ قزح کے رنگ ان کی نظروں کی عطا تھے۔ یزید کو پوتہ نہیں کیے یہ بات سو جھ گئی کہ حسینی بیعت کو وہ اپنی تاریخ کا حصہ بنالے۔ میسون کا بیٹا اپنے باپ سے دور ایک مسیحی قبیلہ کی تربیت میں رہا۔ انھل شاعر سے اس کے خصوصی تعلقات تھے۔ سینٹ جان اس کا یار تھا۔ شراب پینا اس کی عادت تھی۔ کتوں اور بندروں سے وہ دل بہلاتا تھا۔ کلب پروری اس کا شوق تھا۔ یزید کی بچی ہوئی شراب بندر پیا کرتے تھے۔ اس کے نزدیک عورت پیدا ہی ہوں رانی کے لیے ہوئی تھی۔ وہ بزوہ طاقت عورتوں سے ہوں رانی کا مسلک رکھتا تھا۔ یزید کا معروف قول ہے جتنی ممکن ہو عیش کر لوزندگی کتنی ہی لمبی ہوآ خرختم ہو جائے گی۔ اللہ نے شراب خوروں کو عذاب سے ڈرانے کے لیے ”ویل للشاربین“ نہیں کہا بلکہ نماز گزاروں کو ”ویل للملصلین“ کہا۔ اس کا ایک شعر ہے اگر دینِ احمد میں شراب حرام ہے تو خیر الدین مسیح پر ہی شرایں پیا کرو۔

قرآن پڑھنے والوں کو سوچنا چاہیے رحمۃ للعلمین آقا کی آغوش میں پلنے والے بدی، بُرائی، کم ظرفی، هشک اور فسق و فجور کی بیعت کیسے کر لیتے۔ سلام آلِ نبی پر خواجہ غریب نواز مقام حسین رضی اللہ عنہ کو خوب سمجھے ہیں:

شah است حسین با شاه است حسین
دین است حسین دیں پناہ است حسین
سرداد نہ داد دست در دست یزید
حقا کہ بنائے لا الہ است حسین

”اہل بیت“ کا پسندیدہ ماحول جانے کی کوشش فرمائیے!!!

قرآن مجید سے زیادہ بڑھ کر حساس مصور کون سا ہوگا۔ ایک مقام پر قرآنی ارشادات کا مفہوم ملاحظہ ہو: ”اللہ آسمانوں اور زمینوں کا نور ہے اس کے نور کی مثال یوں ہے جیسے چراغ کے گرد بلوں میں ہالہ ہو، یہ بلو روشن اور تابندہ تارے کی طرح جگہ گاتا ہو۔ اس چراغ میں زیتون کے کسی ایسے مبارک

درخت کا تیل ہو جونہ شرقي ہونہ غربی بلکہ آفاقتی ہو، ایسا تیل جسے آگ نے چھوانہ ہوا اور پھر بھی اس سے روشنی پھوٹ کر بہہ رہی ہو ”نور پر نور“ اللہ ہی جسے شرف دے وہ اس کے نور کی راہ پاتا ہے، اللہ لوگوں کے لیے مثالیں بیان فرماتا ہے اور اللہ ہی ہر شئی کا علم رکھنے والا ہے۔

قرآن مجید مہبٹ وحی میں بیٹھے ہوئے رسول رحمت ﷺ کے فیضان کی تصویر کشی کرتا ہے۔ اس نور کے ماحول کو قاری کے سامنے لا یا جاتا ہے جہاں رسول اللہ ﷺ کی گفتار سنی جاتی ہو، ان کی حرمت زندگی بس رکرتی ہوں، ان کی فاطمہ رضی اللہ عنہا حجرہ اقدس میں عبادت کرتی ہو، حسن رضی اللہ عنہ رسول اکرم ﷺ کے ایک گھنٹے پر بیٹھے ہوں اور حسین رضی اللہ عنہ رسول رحمت ﷺ کی آغوش میں اٹھائے ہوں، علی رضی اللہ عنہ طواف کوئے جاناں کر رہے ہوں۔ نور محل کے سامنے غلامانِ رسول سانسیں بھی احتیاط سے لے رہے ہوں۔ جبرائیل آرہے ہوں، میکائیل جارہے ہوں۔ قدی عرش معلیٰ کے جلوے زمین پر دیکھ رہے ہوں۔ حضور ﷺ نے دستار حسین رضی اللہ عنہ کے سر پر رکھ دی ہو، ان کے نخے سے ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے کر بیعت کی ہو۔ تیاریاں کر بلائی ہوں نور مدینہ میں باشنا جا رہا ہو۔ آغوش رحمت سے پھوٹنے والی روشنی جینوں، رحموں اور پیسوں سے ہوتی ہوئی مہدی کے وجود میں کھب رہی ہو۔ زمانہ سارا، دنیا پوری اور کائنات مکمل اسی نور میں نہا گئی ہو۔

قرآن مجید کے لفظ میٹھے ہیں نور علیٰ نور علیٰ حضرت فاضل بریلوی نے اچھی عکاسی کی:

تیری نسل پاک میں ہے بچے بچے نور کا
تو ہے عین نور تیرا سب گھرانہ نور کا
نور کبریائی اللہ کے لیے درود نبی پر اور سلام آں نبی پرتا به قیامت۔
آل نبی کے دشمنوں کی عداوت کا راز سمجھیے !!!

قرآن اللہ کی کتاب ہے، یہ حرف بہ حرف نور ہے، جہاں اس کتاب کے روشن اوراق کھل جائیں کوئی بات فلسفہ نہیں رہتی، کھل کر امر ہو جاتی ہے۔ دل میں اترجمانے والا اور روح پر چھا جانے والا اس عظیم کتاب کا حصہ ملاحظہ ہو: ”اور لوگوں میں سے بعض ایسے ہیں جو کہتے ہیں کہ ہم اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں لیکن وہ صاحب ایمان نہیں، وہ اپنے خیال میں اللہ اور ایمان والوں کو دھوکہ دیتے ہیں جبکہ یہ دھوکہ تو وہ اپنے نفسوں کو دے رہے ہوتے ہیں، اصل میں اس صورت حال کا نہیں شعور ہی نہیں“۔

تھوڑا آگے جا کر قرآن نے کہا ایسے کافروں کے لیے آگ بھڑکائی گئی ہے۔

امام عالی مقام رضی اللہ عنہ کا جن لوگوں کے ساتھ مقابلہ تھا ان کی کیفیت متنزہ کردہ قرآنی بیان سے مختلف نہیں تھی۔ دیمک کے گھر سے زیادہ بھڑکنے والے لوگوں کے سامنے حضرت امام عالی مقام رضی اللہ عنہ نے جو کچھ فرمایا ملاحظہ ہو:

”لوگو! جلدی میں نہ پڑ جاؤ مجھے پورا حق ہے کہ تمہیں ہدایت کی طرف لاوں اور نصیحت کو کھول کر رکھ دوں جب تک میرا آخری سانس ہے۔ لوگو! یہ تمہاری خوش بختگی اور خوش نصیبی ہو گی اگر تم میری باتوں پر یقین اور اعتماد کرو، اگر تم نے میری بات نہ سنی تو پھر تمہیں اجازت ہے کہ اپنی طاقتتوں کو جمع

کرلو، اپنے ہم خیالوں کو بھی ساتھ ملا لو پھر تم مجھے شہید کرنا چاہتے ہو تو کرلو، میرے لیے میرا پروردگار ہی کافی ہے جس نے قرآن نازل کیا اور وہی تقویٰ دار بندوں کا حامی اور مددگار ہے۔
لوگو!

تمہیں میرا نسب معلوم ہے۔ میں حسین ہوں، میرا باپ علی رضی اللہ عنہ ہے اور میں تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا نواسہ ہوں، سوچو تمہارے لیے میرا خون بہانا کہاں تک درست ہے۔ میرے اندر خون محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی اور آپ کے چچا زاد کا ہے۔ کیا تم نے یہ حدیث نہیں سن رکھی: ”دونوں جوان اہل جنت کے سردار ہیں“۔ سن رکھو! وہ میں اور میرا بڑا بھائی حسن رضی اللہ عنہ ہیں۔ اگر تمہیں یقین نہیں تو ابھی تک وہ صحابہ رضی اللہ عنہم زندہ ہیں جنہوں نے اپنے کانوں سے یہ حدیث سنی تھی۔

تم لوگ میرے قتل کے کیوں درپے ہو گئے ہو۔ کیا میں نے تمہارا کوئی آدمی قتل کر دیا ہے کہ تم مجھ سے قصاص لینا چاہتے ہو یا تمہارا کوئی مالی مطالبہ ہے یا تم مجھ سے کسی زخم کا بدلہ لینا چاہتے ہو۔ ہاں تو لوگو! اگر تمہیں قدی حدیث پر یقین نہیں تو صرف یہ سوچ لو کہ تمہارے نبی کے ساتھ میرا رشتہ کیا ہے، چلو اسے بھی رہنے دو، تم لوگوں نے خود مجھے خط لکھ کر بلا یا اب میں جو آیا ہوں تو مدد کے بجائے تم میرے قتل کے درپے ہو گئے ہو، کیا نواسہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا استقبال ایسے ہی کیا جاتا ہے؟ دیکھو اور غور کرو میرے پاس کوئی فوج نہیں نہ ہی میں آلات جنگ لے کر آیا ہوں۔ میرے ساتھ صرف میرا کنبہ ہے اور چند مخلص دوست ہیں، ان نہتے لوگوں سے تمہیں مقابلہ زیب نہیں دیتا۔

خطبہ سننے کی بجائے یزیدی فوج نے ہنگامہ کھڑا کر دیا، بیعت کرو بیعت، یزید کے ہاتھ میں ہاتھ دے دو۔ ہمارا مطالبہ یہی ہے اس ہنگامہ خیز ماحول میں صرف اتنی بات سنی گئی حسین کہہ رہے تھے:

بیعت کیا فسق کی بیعت؟

بیعت کیا کفر کی بیعت؟

بیعت کیا تکبر، رعنوت اور طاغوت کی بیعت؟

یقیناً

حسین نے سوچا ہوگا

میں وہ ہوں جو مہبط وحی میں پلا

میں وہ ہوں جس نے نبی کی زبان چوی

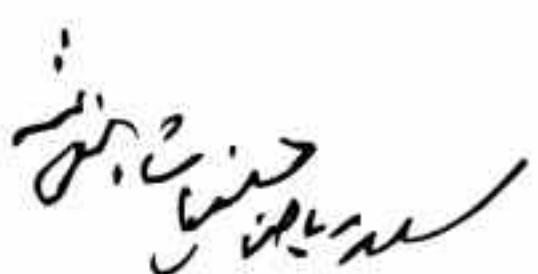
میں وہ ہوں جس کو جنت کا شہزادہ قرار دیا گیا

ہاں

میں وہی حسین ہوں جس کی ماں جنت کی ملکہ ہے

جی میں وہ ہوں جسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ چھوڑ کے آغوشِ رحمت میں اٹھایا

جی سجدوں میں دوشِ رسول ﷺ پر میں ہی سوار رہا
 اور نبی نے خود میرے ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر مجھے بیعت کیا
 میدان کر بلا میں حسین آواز کی گونج پڑ گئی
 اللہ کی قسم! میں دین اور قرآن کی خاطرا اپنی جان دے دینا افضل سمجھتا ہوں
 شاہ است حسین بادشاہ است حسین
 دین است حسین دیں پناہ است حسین
 سرداد نہ داد دست در دست یزید
 حقاً کہ بنائے لا الہ است حسین
 سلام نبی ﷺ پر اور آل نبی ﷺ پر۔


 سید ریاض حسین شاہ



حروف روشن

سید رضا حسین شاہ

”اور تم کیسے انکار حق کر سکتے ہو حالانکہ تم پر اللہ کی آیتیں تلاوت کی جاتی ہیں اور تم میں اس کا رسول موجود ہے بے شک جس نے اللہ کا سہارالیا تو وہ سیدھی راہ کی ہدایت دے دیا گیا، اے ایمان والو! ڈرو اللہ سے جیسے کہ اُس سے ڈرنے کا حق ہے اور تمہیں ہرگز موت نہ آئے مگر اس حالت میں کہ تم مسلمان ہو اور اللہ کی رسی کو سب مل کر مضبوطی سے تھام لوا اور آپس میں بکھرنہ پڑو اور اپنے اوپر اللہ کی اس نعمت کو یاد کرو کہ جب تم آپس میں دشمن تھے تو اُس نے تمہارے دلوں کو جوڑ دیا اور تم سب اس کی نعمت کی وجہ سے بھائی بھائی ہو گئے اور تم تو آگ کے ایک گڑھ کے کنارے تھے تو اس نے تمہیں اس سے بچالیا اسی طرح اللہ تمہارے لیے اپنی آیتیں بیان فرماتا ہے تاکہ تم ہدایت پر قائم رہو۔

وساطت سے آپ کی ساری امت حلقہ فیض میں داخل ہے اس لیے کہ آپ کے آثار اور سنتیں آپ کی تمام امت میں موجود ہیں۔ تفسیر خازن کا نکتہ لطیف تر ہے کہ رسول رحمت نے ارشاد فرمایا تھا کہ میر میں دو چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں دونوں عزت اور حق میں بھاری ہیں۔ تقلید مفہوم یہی ہے: کتاب اور میری عترت۔ اس میں اشارہ کتاب اور عترت قیامت تک امت میں موجود ہونے کی طرف ہے (343)۔

رازی نے اپنی تفسیر میں ”گیف“ کے سمندر میں غوط زنی کی ہے، ویسے بھی رازی کو سمندر سے موتی چلنے اور مچھلیاں پکڑنے دونوں کاموں کا تجربہ ہے، آپ خامہ فرسائی فرماتے ہیں (344):

کلمہ ”گیف“، تعجب کے لیے ہے اور کہا جاتا ہے کہ تعجب تو وہاں ہوتا ہے جہاں اسباب کا علم نہ ہو اور اللہ کے لیے اسباب کا مخفی ہونا محال ہے، اس صورت میں یہاں ”گیف“ کا معنی کیا ہوگا؟ آپ جواب ارشاد فرماتے ہیں کہ یہاں ”گیف“، صرف تعجب کے لیے نہیں ہے بلکہ انکار اور تعجب دونوں کے لیے ہے یعنی استقہام انکاری کے لیے ہے جو تعجب پر دلالت کرتا ہے۔ اشارہ اس طرف ہے آیات مینہ کی طرح اپنے قبض میں برس رہی ہیں۔ حضور ﷺ مغل محبین کو نواز رہے ہیں، دلائل قائم ہو رہے ہیں، شبہات کی برف پکھل رہی ہے، ایسے ہے کہ رسول اللہ ﷺ کفر سے خود روک رہے ہیں اور یہود کے مکروہ کا نہ سے آگاہی کے دروازے کھل رہے ہیں، اے میں کفر کسے ہو سکتا ہے؟ لوں کہا

سید ریاض حسین شاہ قرآن مجید و فرقان حمید کی تفسیر ”تبصرہ“ کے عنوان سے تحریر کر رہے ہیں۔ ان کا اسلوب نگارش منفرد اور دیگر مفسرین سے مختلف بھی ہے اور دلچسپ بھی۔ انداز بیان سادہ اور دلکش ہے جس میں رموز و معانی کا سمندر موجزن ہوتا ہے۔ ذیل میں ہم قارئین کی دلچسپی کے لیے سورہ آل عمران کی آیت نمبر 101 تا 103 کی تفسیر پیش کر رہے ہیں۔ (اوارہ)

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

وَ كَيْفَ تَكْفُرُونَ وَ أَنْتُمْ تُتْلَى عَلَيْكُمْ أَيْتُ اللَّهُ وَ فِيهِمْ
رَسُولُهُ طَ وَ مَنْ يَعْصِمُ بِاللَّهِ فَقَدْ هُدِيَ إِلَى صِرَاطِ
مُسْتَقِيمٍ ﴿١﴾ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ حَقَّ تُقْتِلُهُ وَ لَا
تَمُوتُنَّ إِلَّا وَ أَنْتُمْ مُسْلِمُونَ ﴿٢﴾ وَ اعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ
جَيِيعًا وَ لَا تَفَرَّقُوا وَ اذْكُرُوا نِعْمَاتَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ
كُنْتُمْ أَعْدَاءً فَالْفَ بَيْنَ قُلُوبِكُمْ فَاصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهِ
إِخْوَانًا وَ كُنْتُمْ عَلَى شَفَاعَ حُفْرَةٍ مِنَ النَّارِ فَانْقَذَ كُمْ
مِنْهَا طَ كُنْدِلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمْ أَيْتِهِ لَعَلَّكُمْ تَهَنَّدُونَ ﴿٣﴾

وَكَيْفَ تَكْفُرُونَ وَأَنْتُمْ تُشْتَلِي عَلَيْكُمْ آيَاتُ اللَّهِ وَفِيهِمْ رَسُولُهُ طَ وَمَنْ يَعْصِمْ بِاللَّهِ فَقَدْ هُدِيَ إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ١٤

”اور تم کیسے انکار حق کر سکتے ہو حالانکہ تم پر اللہ کی آئیں تلاوت کی جاتی ہیں اور تم میں اس کا رسول موجود ہے بے شک جس نے اللہ کا سارالساتروہ سیدھی راہ کی بدایت دے دیا گا۔“

قرآن مجید کی اس آیت سے پہلے ایسے لوگوں سے متعلق کلام فیض بار تھا جنہیں بجا طور پر شب زادے کہا جا سکتا ہے۔ کورنگا، ہی کے بوجھ تلنے دبے یہودیوں کو نور کی باتیں سمجھائی گئیں لیکن اس آیت میں جمالیاتی ادب نے سامعین اور قارئین کو بلا واسطہ آغوش رحمت میں لے لیا۔ وہ لوگ جو اس آیت کے مخاطب ہیں وہ نور کے پروردہ ہیں۔ پاکیزہ فضاؤں میں سانسیں لینے والے ہیں، نبوت کی دہلیز سے جلووں کی خیرات لوٹنے والے ہیں۔ محسوس ہوتا ہے کہ یہیم محبت کے تازہ جھونکے گلوں کے رخسار تھپک رہے ہیں اور انہیں پت جھڑ سے بچانے کا احسان یاد کروار ہے ہیں۔ ”وَ كَيْفَ تَكْفُرُونَ“، اتنی مزے کی ترکیب ہے لگتا ہے جیسے باراںِ رحمت کے موسم میں کوئی دلوں کے در پیچ پر

د ان چھوڑ رہا ہے۔ لہا جارہا ہے میں یے ہر لر سلتے ہو۔
ابوحیان انڈسی کی عبارت رگِ گلاب سے خوشبوکشید رہی ہے (342):
”اس آئیہ کریمہ میں خطاب براہ راست آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ سے
سے اس لئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ ہی میں تشریف فرماتھے ماں ان کی

جاسکتا ہے کہ کیف استفہام انکاری کے لیے ہے ضمناً اس میں تعجب بھی پایا جا رہا ہے۔

آیت کے اندر ”اعتصام بالله“ کی تفسیر میں بیضاوی کی گل چینی پسند آئی، آپ فرماتے ہیں: قرآن میں ”اعتصام بالله“ کے دو معانی ہو سکتے ہیں: ایک معنی تو یہ ہو سکتا ہے کہ جس نے اللہ کے دین کو مضبوطی سے پکڑا تو یقیناً امر ہے کہ اسے سیدھی راہ نصیب ہو گئی اور دوسرا معنی یہ ہے جس نے اپنے تمام امور میں اللہ کی پناہ لی تو وہ یقین کر لے کہ اسے سیدھے راستے کی ہدایت نصیب ہو گئی۔

شیخ زادہ نے ”فقد هدیٰ“ کی تفسیر میں لکھا (345) کہ ”قد“ ماضی پر داخل ہو یا مضرار پر داخل ہواں میں تحقیق کا معنی ضروری ہوتا ہے اور توقع کا مفہوم بھی اُجاگر ہوتا ہے۔ یاں مضرار پر داخل ہونے کی صورت میں تحقیق کا معنی ضروری اور توقع کا معنی نقلی ہوتا ہے یعنی بھی بھی کامفہوم بھی بھی آتا ہے جبکہ ”قد“ ماضی پر داخل ہو تو تحقیق کی طرح توقع کا معنی فی الفور اور ضروری ہو جاتا ہے۔ یہاں آیت میں مفہوم یہ نکلے گا جو شخص اپنے امور اللہ کے سپرد کرے گا یا اللہ کا دین مضبوط پکڑے گا۔ یہ ضروری امر ہے کہ اللہ اس کو سیدھی راہ کی ہدایت دے گا اور اسے وصل نصیب کرے گا۔

والله اعلم

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ حَقًّا تُقْتَهُ وَلَا تَمُوتُنَ إِلَّا وَأَنْتُمْ مُسْلِمُونَ ⑤

”اے ایمان والو! ڈرواللہ سے جیسے کہ اس سے ڈرنے کا حق ہے اور تمہیں ہرگز موت نہ آئے مگر اس حالت میں کہ تم مسلمان ہو۔“

یا ایُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا!

یہ خطاب دلنواز ہے

جور وحش اور دلوں کی تاروں پر محبت اور قربانی کے حسین، خوبصورت اور ایمان ساز لغنوں کو بیدار کر دیتا ہے۔

اے ایمان والو!

یہ آقا کا اپنے بندوں کو خطاب ہے جس سے آنکھوں میں اُجاہے مسکرانے لگ جاتے ہیں۔ یہاں پر آقا کی تقدیس کا جلوہ حروف عجز کی روحاںی مسکراہٹ بن جاتا ہے اور زندگی کا ہر لمحہ اپنے وجود کے ریزہ ریزہ کو پیغام بہاراں دینے لگ جاتا ہے۔ یہ بات ٹھیک ہے کھلی دھوپ کے مسافر درختوں کے سائیوں سے تنگ ہوتے ہیں انہیں اپنے آقا کی آواز میں بہارتوں کی تازگی محسوس ہوتی ہے۔

اے ایمان والو!

الوہی آواز ہے جس میں ایمان والوں کی شرافت، بزرگی اور عزت کا اظہار ہے۔ آلوہی نے ٹھیک لکھا کہ (346) ”أُؤْتُوا الْكِتَابَ“ والی قوم کے نصیحت نامے کے بعد غلامان رسول کو ایمان والے کہہ کر آواز دینا جنتوں کو ان کے قدموں کے نیچے رکھ دینا ہے اور مومنین کی دستاروں پر رضوانی زربفت کا چھڑکا و قدسیوں کے ہاتھوں سے سرانجام دیتا ہو محسوس ہوتا ہے سبحان اللہ!

ڈرواللہ سے

آوازیں خوف بھی پیدا کرتی ہیں اور رجاو امید کی جنتوں تک رسائی بھی دیتی ہیں۔ آوازیں خود کلامی کی خاموشی بھی ہوتی ہیں اور خدا کلامی کا روشن نشان بھی ہوتی ہیں۔ بلبل کے نغمے، مینا کی خوش صدائی، کوئل کی کوکو اور ہدہد کی ٹکٹک کی آوازیں ہیں لیکن ان میں رسیل آوازوں کا سحر موجود ہے بعض آوازیں اچھی نہیں ہوتیں قرآن کہتا ہے ”انکرا الا صوات“ گدھوں کی آوازیں ہیں۔ آوازیں اچھی بھی ہوں تو ایک مقام ایسا ہے جہاں کہا جاتا ہے اپنی آوازوں کو پست رکھو کہیں نبی کی آواز سے وہ اوپنجی نہ ہو جائیں اور بے شعوری کے عالم میں تمہارے اعمال ختم کر دیے جائیں۔

قرآن مجید کی اس آیت میں جو آواز رسول محترم کے لبou سے صدور کے بعد امت کی روحوں میں کھب گئی ہے وہ تقویٰ کی آواز ہے۔ اتحاد امت کے لیے خوف خدا کا ہونا ضروری ہے، تقویٰ کا ہونا ضروری ہے، حرام کاموں سے بچنے کا جذبہ دلوں میں ہونا ضروری ہے۔

”انقیاد اطاعت“ کا نور ضمیر کی رگوں میں متحرک ہونا ضروری ہے، اس لیے اللہ نے اتحاد کے حکم سے پہلے تقویٰ اختیار کرنے کا حکم ارشاد فرمایا۔

ڈرنے کا حق ادا کرنا یہاں آیت میں ایمان کے وجود میں روح کی حیثیت سے لایا گیا ہے۔ اخلاق اور عقیدہ کے بغیر تقویٰ مؤثر نہیں ہوتا، اس لیے یہاں تقویٰ کی روح بتائی گئی ہے اور ایمان والوں میں حدِ انتہا تک اسے بیدار کرنے کا حکم صادر ہوا ہے۔

در المنشور کی روایت

جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ سعید بن جبیر کی روایت ہے کہ آیت جب نازل ہوئی صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے اس پر عمل کرنے کے لیے اپنی تو انا پیاں کھا دیں، عبادت میں کھڑا رہ رہ کر پاؤں پرورم آگیا۔ ان کی پیشانیاں زخمی ہو گئیں اور وہ کمر خمیدہ رہنے لگے۔ ٹوٹے ہوئے جسموں کا اضھال دیکھ کر اللہ تعالیٰ نے تخفیف کا حکم نازل فرمادیا کہ تم اللہ سے ڈرو جتنی تم میں طاقت اور سکت ہے (347)۔

حق تقویٰ کی ادا بیگی

حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہما روایت کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تقویٰ کا حق ادا کرنا یہ ہے کہ اللہ کی اطاعت کی طبقات کی نافرمانی نہ کی جائے، اس کا خوب ذکر کیا جائے اور اس کی یاد کو ہرگز چھوڑانہ جائے (348)۔

آیت کا آخری حصہ

تمہیں موت نہ آئے مگر اس حال میں کہ تم مسلمان ہو۔ علامہ صابوی لکھتے ہیں کہ اس جملہ کا مطلب یہ ہے کہ تم ہر حال میں اسلام پر قائم رہو اور صحت وسلامتی کی نعمتوں میں اسلام ایسی نعمت کی حفاظت کرو اس لیے کہ کرم کی عادت یہی جاری ہے کہ جو شخص کسی عمل پر دنیوی زندگی میں ہوتا ہے اسے اسی حالت میں موت نصیب ہوتی ہے اس لیے اسلام پر قائم رہنا چاہیے تاکہ موت اسلام ہی کی حالت میں نصیب ہو (349)۔

”اے لوگو! تم پر اللہ کی اطاعت لازم ہے اور یہ بھی تمہارے لیے ضروری ہے کہ جماعت کے ساتھ رہو، بے شک یہ دونوں چیزیں اللہ کی رسیاں ہیں بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے اپنی رسی کو مضبوط تھا منے کا حکم دیا ہے۔“

ابوالعالیہ نے روایت کیا کہ اللہ کے لیے دل میں اخلاص اور خلوص رکھنا اللہ کی رسی ہے جسے مضبوط پکڑنے کا حکم دیا گیا ہے۔ حضرت قادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ”حبل“ کا معنی ”عہد“ کیا ہے اور ابن زید کہا کرتے تھے کہ جبل سے مراد اسلام ہے اور مضبوط پکڑنے سے مراد اس پر قائم رہنا ہے (359)۔

مجاز کی مسمیات اور مطالب کی گہرائی

قرآن مجید اپنے قاری کو پڑتا شیر الفاظ، رس انگلیز افکار اور اچھوتی ترکیبوں سے آشنا کرتا ہے۔ یہ آئیہ کریمہ مطالب کی گہرائی اور نتائج کی ضمانت کا ایک پرمغز اور دلنشیں درس دینے کے لیے آب حیات کے چشمہ پر لے جاتی ہے جہاں حکمت خضر کے جام اٹھائے قدسی صفت لوگ کھڑے ہوتے ہیں جو لوگوں کو مسائل کے کنوں سے نکالنے کے لیے ہاتھوں میں رسیوں کا چکھا ”عروہ الوثقی“ کے ساتھ باندھے آوازیں دے رہے ہوتے ہیں: ”اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لو،“ آواز مجازات سے بات کو پیچیدہ بنانے کے لیے نہیں خلوص کی راہ چلنے والوں کو ایک ایسا وسیلہ اور ذریعہ دے دینا ہے جہاں شخصیتیں زرد بیلیں نہیں رہتیں جن پر کوئی صورت صحابہ نہ اترے بلکہ یہاں نقاش حسن خود آنکھوں پر آئینے آؤزیں کر دیتا ہے اور چشمہ مشام پر پھول باندھ دیتا ہے اور زبانوں میں بلاغت کی تو انایاں سمو دیتا ہے اور پھر ”محسوسات“، مرشد بن کر عقل کی تفسیر کر لیتے ہیں اور عقل کا بھوت مسلمان ہو کر نعرہ زیماں شروع کر دیتا ہے۔ چلو چلے سوہنڑے والٹ پھر یہ ”واعْتَصِمُوا بِحَبْلٍ“، اصل میں کسی کی اطاعت کی توصل لازوال کی رسی خود بخود ملنے لگ جاتی ہے اور حسن جب لطافت کی آخری حد چھو لے یا وہ روشنی بن جاتا ہے اور یا وہ خوشبو ہو جاتا ہے۔ میرے نزدیک قرآن، رسول رحمت، اہل بیت، صحابہ کی جماعت اور خلوص و اطاعت سب وہ مانہتا ہیں جو اللہ کی رسیاں ہیں جن سے وائیگی فضیلت و انقلاب کی خوشبو بھی ہے اور روشنی بھی۔ اللہ مقدر کا حسن دے دے۔

رازی کے نزدیک تشبیہ کا حسن

اگر کوئی شخص تنگ اور مشکل راستہ سے گزر رہا ہے تو اسے اندیشہ لاحق ہوتا ہے کہ کہیں وہ گرنے جائے اگر یہ اہتمام ہو جائے کہ راستے کے دونوں طرف رسی باندھ دی جائے اور چلنے میں سہارا میسر آجائے اور رسی پکڑ کر چلنے والا شخص خطرات سے محفوظ ہو سکتا ہے۔ اللہ کی طرف جانے والا راستہ بھی مشکل راستہ ہے۔ پھسل کر کتنے ہی انسانی قابل گرچکے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف آنے والوں کے لیے مضبوط رسی کا سہارا اور شیک عطا فرمائی ہے تاکہ اسے مضبوطی سے تھامنے والے بھٹک نہ جائیں (360)۔

اتحادِ امت یا تکمیلِ مقصد کا شوق

آیت میں آسان ترین معنی اتحادِ امت کا درس ہے۔ اختلاف اور تفرقہ فرمایا (358) :

وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلٍ أَجْمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا وَإِذْ كُرُوا نِعْمَةَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ لَنْتُمْ أَعْدَاءً فَأَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِكُمْ فَاصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهِ إِخْوَانًا وَلَنْتُمْ عَلَى شَفَا حُفْرَةٍ قِنَ النَّارِ فَانْقَذَكُمْ مِنْهَا كَذِلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمْ أَيْتِهِ لَعَلَّكُمْ تَهَتَّدُونَ ⑤

”اور اللہ کی رسی کو سب مل کر مضبوطی سے تھام لو اور آپس میں بکھرنا پڑا اور اپنے اوپر اللہ کی اس نعمت کو یاد کرو کہ جب تم آپس میں دشمن تھے تو اس نے تمہارے دلوں کو جوڑ دیا اور تم سب اس کی نعمت کی وجہ سے بھائی بھائی ہو گئے اور تم تو آگ کے ایک گڑھے کے کنارے تھے تو اس نے تمہیں اس سے بچا لیا اسی طرح اللہ تمہارے لیے اپنی آیتیں بیان فرماتا ہے تاکہ تم ہدایت پر قائم رہو۔“

”حبل“ کی لغوی تحقیق

تاج العروس نے لکھا کہ ”الحبل“، اس سبب کو کہتے ہیں جس کے ذریعے مقصد اور حاجت تک رسائی ملے (350)۔ قرطبی نے لکھا کہ ”حبل العاتق“ کندھے کے پٹھے کو کہتے ہیں (351)۔ ریت کے لمبے اور طویل قطعے کو ”حبل“ کہہ دیتے ہیں۔ قرطبی نے استدلال میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کا ایک جملہ لکھا ہے (352) :

وَاللَّهُ مَا تَرَكَتْ مِنْ حَبْلٍ لَا وَقْفَتْ عَلَيْهِ فَهُلْ لَيْ مِنْ حَجَّ الَّذِي قَسَمَ مِنْ نَّارٍ كَمَرَاسٌ پَرْ وَقَوْفَ كَيَا تُوكِيَا مِيرَاجْ هُوَ گَيَا؟“

لسان العرب اور راغب نے ”حبل“ کا معنی رسمی لکھا (353)۔ بعض ائمہ تفسیر نے اس کی لغت عہد بھی لکھی ہے۔ شعراء ”حبول“، کو مصائب کے معنوں میں بھی استعمال کیا ہے (354)۔ ”حالة“ اس جاں کو کہتے ہیں جس سے مچھلیاں شکار کی جاتی ہیں۔ کنویں سے پانی نکالنے کے لیے جس رسی کے ساتھ ڈول باندھا جاتا ہے اسے بھی ”حبل“ کہتے ہیں۔ جہاں کا لنگر جس سے کے ساتھ جکڑا ہوتا ہے وہ بھی ”الحبل“ کہلاتا ہے (355)۔

”الحبل“ کے تفسیری اطلاقات

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی یہ روایت ثابت ہے کہ ”الحبل“ سے مراد قرآن حکیم ہے۔ حدیث ثقلین کا پہلا حصہ بھی یہی ہے کہ کتاب اللہ قرآن حکیم اللہ کی رسی ہے جو آسمانوں سے زمین تک پھیلی ہوئی ہے (356)۔

دوسری روایت منداد امام احمد بن حنبل کی ہے۔ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ”الحبل“ کتاب اللہ ہے۔ دو چیزیں جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم چھوڑ کر گئے ان میں دوسری رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی عترت ہے۔ دونوں ساتھ ساتھ رہیں گے یہاں تک کہ حوض کوثر پر جا پہنچیں گے (357)۔

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما ”الحبل“ سے مراد جماعت لیتے تھے۔ حضرت عبد اللہ بن مسعود نے بھی ایک مرتبہ خطبہ دیتے ہوئے ارشاد فرمایا (358) :

بازی سے اجتناب ہے لیکن ہمارے نزدیک آیت میں زور مقصد کے عرفان پر ہے اور مقصد کی پہچان ہے۔ اعتصام دھاگوں اور بالوں سے بٹی ہوئی ری کے ساتھ کام نہ آنے والی چیز ہے۔ اعتصام تو مقصد زندگی پر مضبوط گرفت حاصل کرنا ہے۔ نام کے مسلمانوں کا نہ اتحاد ہو سکتا ہے اور نہ ہی ان کا کوئی عمرانی عہد اسلام کو فائدہ پہنچا سکتا ہے۔ سمجھنے والی بات یہ ہے کہ عصر حاضر میں بدیر یا سویر پھر ایک طوفان نوج یا کسی قیامت کبریٰ کے پیا ہونے کے حالات پیدا ہو رہے ہیں۔ تاریخ چیخ رہی ہے اور عقلی اور روحانی شہادتیں اسی طرف رواں دواں نظر آ رہی ہیں اور آج کا انسان مجذوبوں کی تلاش میں ہے۔ یاد رکھو! گوہر مقصود ماہرین کمپیوٹر، ریاضی، کیمیا اور فزکس کے گود میں نہیں، یہ ورشہ نبوت کے احیاء میں مخفی ہے اور وہ ”قرآن حکیم“ ہے۔ مسلمانوں کو قرآن حکیم اور اسلام کے حقیقی عرفان کے ساتھ متعدد اور یکسو ہونا پڑے گا۔ ایسے ہی مسلمانوں کی جماعت مظلومین کی نجات کی ضامن ہو سکتی ہے۔

مصطفویٰ تعلیمات کا چراغاں

نبوی دعوات کا چراغاں

عملی اقدامات کا چراغاں

روحانی اور اکات کا چراغاں

دوسرانکتہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مؤمنین کی تالیف قلوب کو اپنی طرف منسوب کیا ہے کہ یہ الفت و محبت اللہ ہی نے پیدا کی ہے و گرنہ تم معمولی معمولی مسلکوں پر جنگلوں کی آگ بھڑکانے والے لوگ تھے، اللہ نے اپنے حبیب کا جماعتی مجذہ ظاہر کیا اور تم آپس میں بھائی بھائی بن گئے اور پوری دنیا میں چھا گئے۔ یہاں کہا جا سکتا ہے کہ قوموں کے لیے اللہ تعالیٰ پر یقین و ایمان اور اس کی بارگاہ سے استغاثۃ مضبوط ری کی طرح ہوتا ہے خدا پرستی کی رسی تھام لی جائے تو قوموں کے اندر مجذہ بھی ظاہر ہونے لگ جاتے ہیں۔

حوالہ جات

- (342) البحر الحيط: ابو حیان اندی (343) تفسیر القرآن: علامہ خازن
- (344) تفسیر کبیر: فخر الدین رازی
- (345) حاشیہ بیضاوی: شیخ زادہ ایضاً بن عاشور ایضاً طبری ایضاً کوراہی ایضاً تفسیر نور ایضاً صافی ایضاً مدرس ایضاً الجامع (346) روح المعانی: آلوی
- (347) در المنشور: جلال الدین سیوطی (348) در المنشور: جلال الدین سیوطی
- (349) تفسیر القرآن: صابونی (350) تاج العروس: زبیدی حنفی
- (351) الجامع لاحکام القرآن: قرطبی (352) الجامع لاحکام القرآن: قرطبی
- (353) المفردات: راغب ایضاً سان العرب
- (354) تاج العروس: زبیدی حنفی (355) لسان: ابن منظور ایضاً قرطبی ایضاً تحقیق
- (356) روح المعانی: آلوی (357) الجامع لاحکام القرآن: قرطبی ایضاً رازی
- (358) روح المعانی: آلوی ایضاً نجوم الفرقان
- (359) زاد المسیر: ابن جوزی ایضاً آلوی ایضاً رازی
- (360) تفسیر کبیر: فخر الدین رازی (361) تفسیر کبیر: فخر الدین رازی

”وَلَا تُفْرِقُوا“ کا معنی اور رازی کا تعمق فکر

قرآن مجید کی ممانعت کہ ”تفرق نہ کرو“ اپنے تعبیری ثمرات کے ساتھ قارئی قرآن کو اطمینان کے گلتان میں لے آتی ہے جب فخر الدین رازی کی تفسیر پڑھی جاتی ہے۔ آپ لکھتے ہیں کہ تفرقہ سے ممانعت کی تین ”وجوه“ ہیں:

☆ پہلی وجہ یہ ہے کہ افتراق سے انسان حق سے دور ہوتا ہے اس لیے کہ حق صرف ایک ہوتا ہے اور افتراق و اختلاف وحدت حق سے بعد کا سبب بنتے ہیں اس لیے یہ درست نہیں۔ آیت میں زور بھی اس پر ہے کہ دین حق کے قبول کرنے میں تفرقہ نہ کرو۔

☆ دوسری وجہ یہ ہے کہ اللہ نے دشمنی کرنے اور جھگڑا کرنے سے منع کیا ہے۔ دشمنیاں، عداوتوں اور لڑائیاں قوموں کو بر باد کر کے خاکستر بنا دیتی ہیں اور تفرقہ عداوتوں کی جہنم میں جا گراتا ہے، فلهذا اس سے بچنا

باب ماجاء انفتاح الصلاة الطهور

حسنات احمد مرتضی

نہانے کی حاجت ہو تو خوب پاکی حاصل کرو

(الماندہ: 4)

وتحریمها التکبیر

حدیث مبارکہ کا دوسرا جملہ یہ ہے
”نماز کا آغاز تکبیر سے ہوتا ہے“

عام طور پر نماز کے آغاز میں جو تکبیر کہی جاتی ہے اسے تکبیر تحریم سے موسم کیا جاتا ہے نماز کی افتتاحی تکبیر کو تکبیر تحریم سے بندیا دھدیت شریف کے یہ کلمات ہیں:

”وتحریمها التکبیر“

تحریم کا معنی حرام ہونے کا ہوتا ہے یہاں مفہوم یہ ہو گا کہ نماز شروع ہوتے ہی کھانا پینا باقی کرنا اور منافی نماز کا مسوں کا ارتکاب سب حرام ہے۔

سمی الدخول فی الصلوة تحریما لانہ یحرب
الاكل والشرب وغيرہا علی المصلى

(غارضۃ الاحوذی، مظہری)

”نماز میں داخل ہونے کے لیے تحریم کا کلمہ اس لیے استعمال کیا گیا ہے کہ نماز میں کھانا پینا اور دیگر مانع صلوٰۃ کا نماز کے لیے حرام قرار دیے گئے ہیں۔“

تکبیر تحریم کی فضیلت

نماز کے لیے تکبیر تحریمہ فرض ہے اس کی فضیلت کتاب اللہ سے بھی جاسکتی ہے:

وذكر اسم ربہ فصلی (علی)

”اور اپنے رب کے نام کو یاد کیا پھر اس نے نماز قائم کی۔“ (تذکرہ)

وربک فکر (المدثر: 3)

”اور اپنے رب ہی کی بڑائی بولو“ (کنز الایمان)
سورہ مدثر کی یہ آیت نازل ہوئی تو رسول کریم ﷺ نے فرمایا: اللہ اکبر، حضرت خدیجہ نے آپ سے تکبیر سن کر تکبیر کہی اور خوشی کا اظہار فرمایا۔
(خرائن العرفان از سید نعیم الدین مراد آبادی)

طالب اس حدیث کو روایت کرتے ہیں

فہم حدیث۔ ترمذی شریف کی تیسری حدیث تین

جملوں پر مشتمل ہے:

(۱) پاکیزگی نماز کی چابی ہے

(۲) نماز کا آغاز تکبیر تحریم سے ہوتا ہے

(۳) اور نماز کا اختتام سلام سے ہوتا ہے

مفتاح الصلاة الطهور

ان کلمات خیر میں نماز کے لیے پاکیزگی اور طہارت کی اہمیت کو خوبصورت پیرائے میں ڈھالا گیا ہے، نماز کی چابی طہارت سے، نماز ایک ایسا خزانہ ہے جس کو لاک رکھا گیا اور اس کی سنجی طہارت کو قرار دیا گیا ہے اگر کسی دروازہ پر لاک لگادیا جائے تو قفل کی وجہ سے اس میں داخل ہونا ممکن نہیں ہوتا جب تک کہ اس کی مفتاح اس کو نہ لگائی جائی اسی طرح نماز کی مقاصد طہارت ہے۔

”سمی النبی الطهور مفتاحا مجازا

لان الحدث مانع من الصلوة

فالحدث كالقفل“

”نبی ﷺ نے مجاز طہارت کو نماز کی چابی

قرار دیا ہے اس لیے کہ حدث (بے وضو ہونا)

نماز کے لیے رکاوٹ ہے بے وضو اور بے

غسل ہونا نماز کے لیے قفل کی طرح ہے۔“

قفل کو کھولنے کے لیے جبکی ہونے کی صورت میں غسل کیا جاتا ہے اور بے وضو ہونے کی وجہ سے وضو کیا جاتا ہے نماز کے لیے طہارت کی فرضیت کا استدلال سورہ مائدہ کی آیت 6 سے کیا جاتا ہے:

”اے ایمان والو! جب تم نماز کے لیے کھڑا

ہونا چاہو تو دھولو اپنے چہروں کو اور ہاتھوں کو

کہنیوں تک اور مسح کرو اپنے سرروں پر اور

دھولو اپنے پاؤں ٹھنڈوں تک اور اگر تمہیں

طہارت نماز کی چابی ہے

3- حضرت مولا علی کرم اللہ وجہہ الکریم سے روایت ہے نبی ﷺ نے فرمایا نماز کی چابی طہارت ہے۔

اور نماز کی حرمت (آغاز) تکبیر سے ہے اور نماز کی حل (اختتام) سلام سے ہے۔

ابو عیسیٰ ترمذی نے فرمایا اس باب میں یہ حدیث اصح اور حسن ہے عبد اللہ بن محمد بن عقیل صدقہ ہیں اہل علم میں سے کچھ نے ان کے حفظ پر کلام کیا، میں نے امام محمد بن اسماعیل بخاری کو فرماتے سن کہ امام احمد بن حنبل اسحق بن ابراهیم اور حمیدی سب جلیل القدر محدثین عبد اللہ بن محمد بن عقیل کی حدیث کو دلیل بناتے تھے۔ امام محمد بن اسماعیل بخاری فرماتے ہیں کہ عبد اللہ مقابر الحدیث ہیں اور اس باب میں حضرت عبد اللہ بن جابر اور حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہمہ سے بھی احادیث روایت کی گئی ہیں۔

یہ حدیث شریف نبی ﷺ سے حضرت مولا علی کرم اللہ وجہہ الکریم روایت فرماتے ہیں بلاشبہ آپ باب مدینۃ العلم کا اعزاز رکھتے ہیں آپ کی ولادت کعبہ میں ہوئی آپ کے والد گرامی حضرت ابو طالب محسن اسلام ہیں آپ کی والدہ حضرت فاطمہ کو رسول کریم ﷺ نے اپنی والدہ بھی کہا، آپ کے حرم میں رسول کریم ﷺ کی لخت جگر جنتی عورتوں کی سردار حضرت سیدہ فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا تھیں۔

بچوں میں سب سے پہلے اسلام قبول کرنے کی سعادت آپ کے حصے میں آئی ہجرت کے موقع پر رسول کریم ﷺ نے امانیں حضرت علی کے پردہ فرمائیں حضرت علی جرات و بہادری شجاعت علم عمل اور تقویٰ و طہارت کے پیکر ہیں غدر خم کے موقع پر جان کائنات ﷺ نے فرمایا جس کا میں مولا ہوں علی بھی اس کا مولا ہے آپ کے ہی شہزادے امام حسن اور امام حسین رضی اللہ عنہما جنتیوں کے سردار ہیں۔ ان گنت فضائل کے حامل حضرت سیدنا مولا علی بن ابی

تکبیر تحریم کے لیے بعض اوقات رکن اور شرط کے الفاظ استعمال کیے جاتے ہیں لیکن رکن یا شرط کہہ کر مراد فرض ہی ہوتی ہے۔ (البنا یہ علی الہدایہ)

رکن اور شرط میں فرق یہ ہے کہ رکن کسی چیز میں شامل ہے اور شرط خارج اُٹھنی ہوتی ہے احناف تکبیر تحریم کو شرط جبکہ ائمہ ثلاشہ رکن کہہ دیتے ہیں۔

تکبیر تحریم کے الفاظ

تکبیر تحریم کے معروف مشہور کلمات "اللہ اکبر" ہیں امام اعظم ابوحنیفہ کے نزدیک "اللہ اکبر" سے نماز کا آغاز کرنا واجب ہے اگر کوئی شخص یہ کلمات اچھی طرح ادا نہ کر سکتا ہو تو اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کے دیگر الفاظ سے بھی آغاز کر سکتا ہے جیسے "اللہ اکبر" اللہ الاکبر "اللہ اجل" اللہ اعظم "

مالکیہ حنبلہ کے نزدیک اللہ اکبر کہنا ہی ضروری ہے شوافع بھی یہی قول کرتے ہیں البتہ "اللہ اکبر" یا "اللہ الاکبر" کے علاوہ کامام شافعی کے نزدیک نماز کا آغاز نہیں ہو سکتا۔ امام مالک فرماتے ہیں صرف اللہ اکبر سے نماز شروع کی جائے وہ اس حدیث کو بنیاد بناتے ہیں۔

"لا یقبل اللہ صلوٰۃ امریحتی یضع الطہور مواضعہ و یستقبل القبلة و یقول اللہ اکبر"

"اللہ تعالیٰ کسی کی نماز کو قبول نہیں کرتا جب تک کہ وہ پاکیزگی کو اس کے مقام پر نہ رکھے، قبل درخ ہوا اور کہے "اللہ اکبر"۔

امام اعظم ابوحنیفہ اور امام محمد کا استدلال قرآن کریم کی سورۃ الاعلیٰ کی آیت سے ہے:

و ذکر اسم ربہ فصلی "اور اپنے رب کا نام لے کر نماز پڑھ"۔

امام اعظم ابوحنیفہ کے نزدیک لفظ اللہ اکبر کے علاوہ نماز شروع کرنا مکروہ ہے۔

و تحلیلہا التسلیم

حدیث شریف کا تیرا اور آخری جملہ ہے:

"نماز کا اختتام سلام سے ہوتا ہے"

اور سلام کے لیے تخلیل کا کلمہ استعمال کیا گیا ہے:

تحلیل ای صار المصلی بالتسليم

یحل لہ ما حرم

"نمازی کے لیے سلام کے ساتھ ہی وہ چیزیں حلال ہو گئیں جو تکبیر تحریم کے ساتھ حرام ہوئی تھیں"۔

نماز کے اختتام پر سلام کہنا احناف کے نزدیک واجب اور ائمہ ثلاشہ کے نزدیک فرض اور نماز کارکن ہے امام شافعی اسی حدیث کو دلیل بناتے ہیں احناف حضرت ابن مسعود کی روایت سے دلیل اختیار کرتے ہیں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابن مسعود کا ہاتھ پکڑ کر تشهید سکھائی اور فرمایا:

"جب تم ایسے کرو یا فارغ ہو جاؤ تو تمہاری نماز مکمل ہو گئی اگر جانا چاہو تو کھڑے ہو جاؤ اگر بیٹھنا چاہو تو بیٹھے رہو"۔

احناف نے احتیاطاً اس حدیث شریف کو مد نظر رکھتے ہوئے نماز کو لفظ سلام سے ختم کرنے کو واجب کہا ہے یہی وجہ ہے کہ زیر بحث حدیث شریف سے فرض کا استدلال نہیں کیا جاسکتا۔

دلیل امام اعظم

خلاد بن رافع نے جلدی نماز پڑھی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے نماز کی تعلیم دی اگر سلام فرض ہوتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس موقع پر اسے ضرور تعلیم دیتے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں تشریف فرمائے ایک شخص آیا اس نے نماز پڑھی پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں سلام پیش کیا آپ نے فرمایا لوٹ جاؤ پھر نماز پڑھو تم نے نماز نہیں پڑھی وہ واپس لوٹ گیا اور اس نے دوبارہ نماز پڑھی جیسے اس نے پہلے پڑھی تھی پھر خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم با رگاہ میں سلام پیش کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا لوٹ جاؤ پھر سے نماز پڑھو تم نے نماز نہیں پڑھی تین بار ایسے ہی ہوا تو اس (خلاد بن رافع) نے عرض کیا اس ذات کی قسم! جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا میں اس سے بہتر نماز نہیں پڑھ سکتا الہذا مجھے سکھا دیجیے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"جب تم نماز کے لیے کھڑے ہو تو تکبیر کہو تم آسانی سے جتنا ممکن ہو سکے قرآن پڑھو پھر رکوع کرو حتیٰ کہ رکوع میں تمہیں اطمینان ہو جائے پھر سراٹھا و حتیٰ کہ بالکل سیدھے کھڑے ہو جاؤ پھر سجدہ کرو حتیٰ کہ تمہیں سجدے میں اطمینان حاصل ہو جائے پھر سراٹھا و یہاں تک کہ اطمینان سے بیٹھ جاؤ اور اپنی پوری نماز میں اسی طرح کرو"۔ (بخاری و مسلم)

دوسری دلیل عبداللہ ابن مسعود کی روایت ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو تشهید کی تعلیم دی اور فرمایا:

اس قول مبارک سے یہی بات سمجھ آتی ہے کہ اختیار دیا گیا اگر سلام فرض ہوتا تو اختیار نہ دیا جاتا آگے جا کر پھر ارشاد نبوی ہوا:

"اگر تم چاہو کھڑے ہونا تو کھڑے ہو جاؤ اگر بیٹھنا چاہو تو بیٹھے رہو"۔

خلاصہ کام یہ ہے کہ لفظ سلام فرض نہیں ہے بلکہ واجب ہے۔

و ہم مقارب الحدیث

اس کا شمار بھی تعدیل میں ہوتا ہے البتہ مقارب میں "ر" کے مختلف اعراب پڑھے جاتے ہیں یہ بھی مدد و تعریف کی ایک قسم ہے۔ تعریف اور مدد بھی ہے یعنی عبداللہ بن محمد بن عقیل صدوق ہیں۔

و ہم مقارب الحدیث

اس کا شمار بھی تعدیل میں ہوتا ہے البتہ مقارب میں "ر" کے مختلف اعراب پڑھے جاتے ہیں یہ بھی مدد و تعریف کی ایک قسم ہے۔ تعریف اور مدد بھی ہے یعنی عبداللہ بن محمد بن عقیل صدوق ہیں۔

عبداللہ بن محمد بن عقیل معروف محدث ہیں حضرت مولا علی کرم اللہ وجہ الکریم کے خانوادے سے آپ کا تعلق ہے، ثقہ عالم تھے کثرت سے عبادت کرنے والے اور متقد تھے امام ترمذی نے انہیں صدوق اور مقارب الحدیث کہا ہے امام محمد بن اسما علیل بخاری فرماتے ہیں آپ مقارب الحدیث ہیں۔

بعض نے سوچیا تھے طرز عمل اختیار کرتے ہوئے ان کی یادداشت پر کلام بھی کیا لیکن حقیقت یہ ہے کہ معروف ثقة راویوں کی ایک جماعت نے آپ سے روایت کی ہے ۲۳۱ھ یا اس کے بعد آپ کا وصال ہوا۔

کرم اللہ وجہہ کہنے کی حکمت

محسن ترمذی میں مفتی عطاء نے اس موقع پر یہ بحث بھی کی ہے کہ خلیفہ راشد امیر المؤمنین حضرت علی المرتضی کو کرم اللہ وجہہ کہنے کی حکمت کیا ہے؟ انہوں نے بیان کیا کہ آپ بچپن سے ہی پاکیزہ ماحول میں آگئے کسی بت کے سامنے جھکنے نہیں شرک کے قریب بھی نہیں گئے شروع ہی سے وحدہ لا شریک کو مانتے تھے۔ آغاز حیات میں مربی کائنات معلم کائنات رسول رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت کا فیضان مل گیا کبھی کسی بت کے سامنے سجدہ نہ کیا صحابہ میں یہ اعزاز آپ کے حصے میں آیا ان عالی صفات کی بنا پر آپ کے اسی گرامی کے ساتھ "کرم اللہ وجہہ" لکھا اور بولا جاتا ہے۔

یا رب العالمین ہمیں پاکیزگی طہارت نصیب فرماء ہماری طہارت کو حقیقی معنوں میں ہماری نمازی کی چابی بنا۔ آمین۔

شانِ الام حسین رضی اللہ عنہ

حسین منی و انا من حسین

یرو فیسر حافظ سخنی احمد

میں اتفاق ہے کہ دونوں مل کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صورت مبارک کی کامل تشبیہ تھے۔
حضرت سیدنا علی المرتضی رَضِیَ اللہُ تَعَالَیٰ وَجْهُهُ الْکَرِیمُ سے روایت ہے:
عن علی رضی الله عنه، قال: من سره أَن ينظر إِلَى أَشْبَهِ النَّاسِ
بِرَسُولِ اللهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ما بَيْنَ عَنْقِهِ إِلَى وَجْهِهِ فَلَيُنْظَرَ إِلَى الْحَسَنِ
بْنِ عَلِيٍّ، وَمَنْ سَرَهُ أَنْ يُنْظَرَ إِلَى أَشْبَهِ النَّاسِ بِرَسُولِ اللهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ما بَيْنَ عَنْقِهِ إِلَى كَعْبَةِ الْخَلْقِ وَلَوْنَافِلِينَظَرَ إِلَى الْحَسِينِ
بْنِ عَلِیٍّ (المعجم الكبير)

”حضرت علی رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں: جس شخص کی خواہش ہو کہ وہ لوگوں میں ایسی ہستی کو دیکھے جو گردن سے چہرے تک حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے کامل شبیہ ہوتا ہے حسن بن علی کو دیکھ لے اور جس شخص کی خواہش ہو کہ وہ لوگوں میں ایسی ہستی کو دیکھے جو گردن سے ٹھنڈے تک رنگت اور صورت دونوں میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے کامل شبیہ ہوتا ہے حسین بن علی کو دیکھ لے۔“

حکیم الامت مفتی احمد یار خان علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

خیال رہے کہ حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ تعالیٰ علیہا آز سرتا قدم بالکل ہم شکلِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم تھیں اور پھر آپ کے صاحبزادگان میں یہ مشابہت تقسیم کر دی گئی تھی۔ حضرت حسین کی پنڈلی، قدم شریف اور ایڑی بالکل حضور کے مشابہ تھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے قدرتی مشابہت بھی اللہ کی نعمت ہے جو اپنے کسی عمل کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مشابہ کر دے تو اس کی بخشش ہو جاتی ہے تو جسے خدا تعالیٰ اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے مشابہ کرے اس کی محبوبیت کا کیا حال ہوگا۔ (مراۃ المناجیح)

امام احمد رضا خان علیہ الرحمہ کا ہدیہ محبت ملاحظہ ہو:

کیا بات رضا اُس چمنستانِ کرم کی زہرا ہے کلی جس میں حسین اور حسن پھول ایک اور مقام پر ارشاد فرماتے ہیں:

ایک سینہ تک مشابہ اک وہاں سے پاؤں تک حسن سبھیں ان کے جاموں میں ہے نیما نور کا صاف شکل پاک ہے دونوں کے ملنے سے عیاں خط تو اُم میں لکھا ہے یہ دو ورقہ نور کا

حدَّثَنَا يَعْقُوبُ بْنُ حُمَيْدٍ بْنُ كَاسِبٍ قَالَ: حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سُلَيْمٍ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُثْمَانَ بْنِ حُثَيْمٍ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ أَبِي رَاشِدٍ، أَنَّ يَغْلَى بْنَ مُرَّةَ، حَدَّثُهُمْ أَنَّهُمْ خَرَجُوا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى طَعَامِ دُعْوَالَهِ، فَإِذَا حُسَيْنُ يَلْعَبُ فِي السِّكَّةِ، قَالَ: فَتَقَدَّمَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَمَّا الْقَوْمُ، وَبَسَطَ يَدِيهِ، فَجَعَلَ الْعَلَامَ يَفْرَهَا هُنَّا وَهَا هُنَّا، وَيُضَاحِكُهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتَّى أَخَذَهُ، فَجَعَلَ إِحْدَى يَدَيْهِ تَحْتَ ذَقْنِهِ، وَالْأُخْرَى فِي فَالْأَسْرِيَةِ فَقَبَّلَهُ وَقَالَ: »حُسَيْنٌ مِنِّي، وَأَنَا مِنْ حُسَيْنٍ، أَحَبُّ اللَّهَ مَنْ أَحَبَّ حُسَيْنًا، حُسَيْنٌ سَبُطٌ مِنَ الْأَسْبَاطِ« (ابن ماجہ)

”حضرت یعلیٰ ابن مرک عامری کہتے ہیں کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک دعوت پر جا رہے تھے کہ راستے میں حضرت حسین علیہ السلام بچوں کے ساتھ کھیل رہے تھے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انکے سامنے آ کر اپنے دونوں بازوؤں کو کھول دیا، لیکن وہ بچہ (امام حسین) دوڑتا ہوا اوہر سے ادھر چلا جاتا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسکو ہماتے رہے یہاں تک کہ ان نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انکو پکڑ لیا، پھر اپنے ایک ہاتھ کو اسکی ٹھوڑی کے نیچے اور دوسرا ہاتھ کو اسکی گردن کے پیچھے رکھا اور پھر اسکے سر کو اوپر کر کے اپنے منہ کو اسکے منہ میں ڈال کر اسے بو سے دینا شروع کر دیا اور پھر فرمایا: حسین مجھ سے ہے اور میں حسین سے ہوں۔ اے اللہ! اُس سے محبت کر جو حسین سے محبت کرے۔ حسین نواسوں میں سے پیار انواسہ ہے۔“

زیر مطالعہ فرمان رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فضیلت و شانِ سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ میں جدت ہے۔ آج ہم اس حدیث پاک کے معروف ترین حصہ یعنی ”حسین منی وَأَنَا مِنْ حُسَيْنٍ“ کے حوالے سے چند مطالعاتی نکات قارئین دلیل راہ کی نذر کر رہے ہیں:

۱۔ ”حسین منی“۔ حسین میں جمالِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اس فرمان مبارک کے ذریعہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پیغام کو واضح فرمایا کہ حسین میراہی عکسِ کامل ہے۔ حسین کی صورت و حسن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صورت کے نور و لمعہ کو تلاش کیا جا سکتا ہے۔ حضرت حسین کریمین کے بارے

انجی کی محبت کا ایک اور انداز:

معلوم نہ تھا سایہ شاہ شُقَلَمِین
اس نور کی جلوہ گہ تھی ذات حُسْنِین
تمثیل نے اس سایہ کے دو حصے کیے
آدھے سے حُسن بنے بیں آدھے سے حُسْنِین

جہاں تک بات ہے خاص امام حسین رضی اللہ عنہ کی رسول اللہ ﷺ سے مشاہد کی تو اس سلسلہ میں ترمذی شریف کی یہ روایت ہی بہت کافی ہے کہ قاتلین حسین اور دشمنان حسین کو بھی امام کے حسن اور مشاہد رسول کو تسلیم کیے بغیر چارہ نہ تھا۔

أَنَّهُ بْنُ مَالِكٍ، قَالَ: كُنْتُ عِنْدَ ابْنِ زِيَادٍ فَجِيءَ بِرَأْسِ الْحُسَيْنِ فَجَعَلَ يَقُولُ بِقَضِيبٍ فِي أَنْفِهِ وَيَقُولُ: «مَا رَأَيْتُ مِثْلَ هَذَا حُسْنًا، لِمَ يُذَكَّرُ؟» قَالَ: قُلْتُ: «أَمَا إِنَّهُ كَانَ مِنْ أَشْبَاهِهِمْ بِرَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (ترمذى)

”حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں عبید اللہ بن زیاد کے پاس تھا کہ حسین رضی اللہ عنہ کا سر لا یا گیا تو وہ ان کی ناک میں اپنی چھٹری مار کر کہنے لگا میں نے ان جیسا خوبصورت کسی کو نہیں دیکھا کیوں ان کا ذکر حسن و خوبصورتی سے کیا جاتا ہے؟۔ تو میں نے کہا: سنو یہ اہل بیت میں رسول اللہ ﷺ سے سس سے زیادہ مشاہد تھے۔“

شیعہ پیغمبر حضرت علی اکبر رضی اللہ عنہ

درحقیقت یہ فیضانِ امام علی مقام رضی اللہ عنہ ہی تھا کہ لختِ جگر امام شہزادہ علی اکبر بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہو بہو مشا بہت رکھتے تھے۔ "حسین منی" کی ایک جمال آفرین تفسیر حضرت امام علی اکبر رضی اللہ عنہ کی ذات، صورت اور خوبصورتی کے رنگ میں ظاہر ہوئی۔ آپ اس قدر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مشا بہت رکھتے تھے کہ آپ کا لقب ہی "شبیہ پیغمبر" قرار پایا۔ خود امام حسین علیہ السلام کی گواہی اور تائید کے مطابق آپ تمام ظاہری اور باطنی صفات میں رسول اللہ کی شبیہ تھے۔ کربلا کے روز امام حسین رضی اللہ عنہ کا یہ فرمان ظاہر کرتا ہے کہ حیاتیاتی وراثت (Inheritance Genetically) سے امام علی اکبر نے اپنے والد گرامی کے واسطے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کتنا وافر حصہ مانا تھا۔

وَكُنَّا إِذَا شَتَقْنَا إِلَيْهِ زُؤْةً نَسِكَ نَظَرًا نَالَهُ

”اے رب! جب بھی ہم تیرے رسول کے دیدار کے مشاق ہوتے تو ہم علی اکبر کی طرف نگاہ کرتے تھے۔“

مقام حیرت ہے کہ حضرت علی اکبر رضی اللہ عنہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کتنی مشابہت رکھتے ہوں گے کہ امام حسین علیہ السلام بھی جن کے چہرہ کو اس لیے تکنے کہ اُس میں جمال رسول صلی اللہ علیہ وسلم نظر آتا ہے۔

٢- اتصال واتجاه

”حسین منی“۔ حسین سے محبت، مصطفیٰ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖہ وَسَلَّمَ سے محبت یہ محبت کا اصول ہے کہ محب اپنے محبوب کی پسند کو بھی پسند کرتا ہے۔ بہت سارے کرام رضی اللہ عنہم کے اے اقوال ملتے ہیں جس میں وہ کسی چز کا نام لے کر

بتاتے ہیں کہ چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پسند ہے لہذا میں بھی اسے پسند کرتا ہوں۔ یاد رہنا چاہیے کہ یہ اصول جس طرح محبت میں کام کرتا ہے اسی طرح نفرت و عداوت میں بھی کام کرتا ہے، یعنی محبوب کو جو شے ناپسند ہو وہ محب کو بھی ناپسند ہو جاتی ہے۔ لہذا نواسہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ کی محبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کا ذریعہ ہے۔

”حسین منی و انا من حسین“ کا ایک تعبیری اور تفسیری رُخ اتصال و اتحاد ہے۔ عنوان کا یہ پہلو آسان بھی ہے اور لذیذ تر بھی۔ زیر مطالعہ فرمان رسول ﷺ میں ہی ارشاد فرمایا کہ اللہ اُس سے محبت کرتا ہے جو حسین سے محبت کرتا ہے۔ اسی عنوان اتصال و محبت کو ایک اور مقام پر آقا کریم ﷺ نے یوں بیان فرمایا:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «مَنْ أَحَبَ الْحَسَنَ وَالْخُسَيْنَ فَقَدْ أَحَبَنِي، وَمَنْ أَبْغَضَهُمَا فَقَدْ أَبْغَضَنِي» (ابن ماجه)

”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو حسن اور حسین سے محبت کرتا ہے صرف وہی مجھ سے محبت کرتا ہے اور جوان دونوں سے بعض وعداوت رکھتا ہے تو وہ مجھی سے دشمنی کرتا ہے۔“

اسی عنوانِ محبت کی مزید وضاحت فرمائی تاکہ کسی عقل کے اندر ہے کوشک و شبہ نہ رہ جائے۔

عَنْ سَلْمَانَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «مَنْ أَحَبَّ الْحَسَنَ، وَالْخُسْنَى أَحَبَّتْهُ، وَمَنْ أَحَبَّتْهُ أَحَبَّهُ اللَّهُ، وَمَنْ أَبْغَضَهُمَا أَبْغَضَتْهُ، وَمَنْ أَبْغَضَتْهُ أَبْغَضَهُ اللَّهُ»
(المعجم الكبير)

”حضرت سلمان رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو حسن اور حسین سے محبت کرتا ہے۔ میں خود اُس سے محبت کرتا ہوں اور جس سے میں محبت کرتا ہوں۔ اللہ بھی اُس سے محبت کرنے لگتا ہے۔ اور جوان دونوں سے بغض رکھے تو میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم اُس سے دشمنی کرتا ہوں اور جس سے میں دشمنی کروں اُس سے اللہ بھی دشمنی کرتا ہے۔“
یہ کیا عظمت آب گھرانہ ہے کہ جس کے ہر فرد کے لیے الگ الگ یہ اعلاء اقبال و اتحاد ہے

حضرت مولامشکل کشا علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم کے بارے میں ارشاد فرمایا:
عَلَيّْ مِنِي وَأَنَا مِنْ عَلَيّْ، وَعَلَيّْ وَلِيٌّ كُلُّ مُؤْمِنٍ بَعْدِي
(نفاذنا ش) ۱

”علی مجھ سے ہے اور میں علی سے ہوں اور میرے بعد ہر مؤمن کا ولی علی ہے۔“

إِنَّ عَلِيًّا مِنِّي وَأَنَا مِنْهُ، (ترمذى)
”الشَّكْرُ شَانٌ لِقَاتَةٍ أَعْلَى مُحَمَّدٍ - وَإِنَّمَا عَلِيٌّ سَعْيًا“

حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کے بارے میں بھی یہی ارشاد رسول کریم ہے:
 أَخْرَجَ أَحْمَدُ وَابْنُ عَسَّاْكِرٍ عَنِ الْمُقْدَادِ بْنِ مَعْدِبٍ كَرْبَلَةَ أَنَّ النَّبِيَّ

صلی اللہ علیہ وسلم قال (الحسن منی)

”امام احمد بن حنبل اور ابن عساکر نے حضرت مقداد بن معدیکرب سے روایت کیا کہ بنی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کی حسن مجھ سے ہے“۔ اور سیدہ طیبہ مخدومہ کائنات، ملکہ جنت پاک بتوں سلام اللہ علیہما کے لیے تو حکم بضعة منی کا ہے۔

قارئین! غور فرمائیں

”علی منی“

فاطمة بضعة منی و شجنہ منی

الحسن منی

حسین منی“

کیا محبوب رب العالمین، سید الانبیاء والمرسلین اور خاتم النبین آقا صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ یہ مقام اتصال و اتحاد کسی اور گھرانہ کو بھی حاصل ہے!! اس پاک گھرانے کے سب افراد کو جمع کرائی بات کو آقا کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یوں بیان فرمایا:

عَنْ زَيْدِ بْنِ أَرْقَمَ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لِعَلِيٍّ وَفَاطِمَةَ وَالْحَسَنِ وَالْحُسَينِ: «أَنَا حَزْبٌ لِمَنْ حَارَبْتُمْ، وَسَلَّمٌ لِمَنْ سَالَّمْتُمْ» (ترمذی شریف)

”حضرت زید بن ارقم روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی، سیدہ فاطمہ اور امام حسن و حسین کو مخاطب کر کے کہا کہ میری اس سے جنگ ہے جس سے تمہاری جنگ ہے اور میں صرف اسی سے صلح کروں گا جس سے تم صلح رکھو گے“۔

اسی حدیث پاک کی شرح میں قاضی عیاض علیہ الرحمہ نے بھی اسی تکلیف کو بیان فرمایا:

قَالَ الْفَاقِهُ: كَانَهُ - صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ - عَلِمَ بِنُورِ الْوَحْيِ مَا سَيَحْدُثُ بَيْنَهُ وَبَيْنَ الْقَوْمَ فَخَصَّهُ بِالذِّكْرِ وَبَيْنَ أَنْهَمَا كَالشَّيْءِ الْوَاحِدِ فِي وُجُوبِ الْمَحَبَّةِ وَحُرْمَةِ التَّعْرِضِ وَالْمُحَارَبَةِ وَأَكَدَ ذَلِكَ بِقَوْلِهِ: («أَحَبَّ اللَّهَ مَنْ أَحَبَّ حُسَينًا»)، فَإِنَّ مَحَبَّتَهُ مَحَبَّةُ الرَّسُولِ، وَمَحَبَّةُ الرَّسُولِ مَحَبَّةُ اللَّهِ

(مرقاۃ المفاتیح شرح مشکاة المصابیح)

”قاضی عیاض فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وحی کے نور سے جانتے تھے کہ حضرت حسین اور قوم کے درمیان یہ معمر کہ پا ہوگا۔ اسی لیے بطور خاص ان کا ذکر اپنے ساتھ ملا کر اس طرح کیا کہ وجوب محبت اور حُرمت جنگ و جدال میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حسین جیسے ایک ہوں اور پھر اسی بات کو یہ کہہ کر مؤکد کیا کہ اللہ اس سے محبت کرتا ہے جو حسین سے محبت کرتا ہے۔ بے شک حسین کی محبت رسول کریم سے محبت ہے اور رسول پاک سے محبت اللہ سے محبت ہے“۔

اے لوگو! حسین اور اللہ کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم جدائی دنیا ہیں ہیں۔

۳۔ ”حسین منی“۔ حسین خون مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم:

”حسین منی“ امام پاک کی عظمت طہارت پر دلیل ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ حسین میرا خون ہے۔ حسین میری آل ہے، حسین میری نسل ہے،

حسین میری عترت ہے، حسین میری ذریت ہے اور حسین کی اولاد بھی میری ہی آل عترت ہوگی۔

امام حسین کی طہارت نبی اور پاکیزگی خون کا عالم تو یہ ہے کہ اس پر آیہ تطہیر گواہ ہے۔ سورۃ الکوثر امام پاک کی پاک نبی کی تفسیر ہے۔ ان کی عظمت نبی کا عالم کیا ہوگا کہ جن کو اللہ کے محبوب اور تمام اولین و آخرین کے سردار و سید مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی عترت، اپنی آل اور اپنی اولاد کہا ہو۔

عن عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ قال : سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم يقول : كل بني انتي فان عصبتم لا بيم ما خلا ولد فاطمه، فإني أنا عصبتم وأنا أبوهم (المعجم الكبير)

”حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا: ہر عورت کے بیٹوں کی نسبت ان کے باپ کی طرف ہوتی ہے مساویٰ فاطمہ کی اولاد کے، کہ میں ہی ان کا نسب ہوں اور میں ہی ان کا باپ ہوں۔“

حسین کریمین رضی اللہ عنہم اس اعتبار سے سب سے مقدم ہیں اور یہ سند انہیں کسی اور نہیں بلکہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عطا فرمائی ہے۔ فرمان رسول کریم کا مطالعہ کیجیے اور خود ہی فیصلہ فرمائیں:

عن ابن عباس رضی اللہ عنہما قال : قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم : أيها الناس! ألا أخبركم بخير الناس جداً و جدة؟ ألا أخبركم بخير الناس عمّا عرّمته؟ ألا أخبركم بخير الناس حالاً وخالة؟ ألا أخبركم بخير الناس أباً و أمّا؟ هما الحسن و الحسين، جدهما رسول اللہ، و جدتها خدیجۃ بنت خویلد، و أمّهما فاطمة بنت رسول اللہ، و أبوهما علی بن أبي طالب، و عمّهما جعفر بن أبي طالب، و عمتهما أمّهانی بنت أبي طالب، و خالهما القاسم بن رسول اللہ، و خالاتهما زینب و رقیة و أمّ كلثوم بنات رسول اللہ، جدهما فی الجنة و أبوهما فی الجنة و أمّهما فی الجنة، و عمّهما فی الجنة و عمتهما فی الجنة، و خالاتهما فی الجنة، و هما فی الجنة، و هما فی الجنة (المعجم الكبير)

”حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اے لوگو! کیا میں تمہیں ان کے بارے میں خبر نہ دوں جو (اپنے) نناناٹی کے اعتبار سے سب لوگوں سے بہتر ہیں؟ کیا میں تمہیں ان کے بارے نہ بتاؤں جو (اپنے) چچا اور پچھوپھی کے لحاظ سے سب لوگوں سے بہتر ہیں؟ کیا میں تمہیں ان کے بارے میں نہ بتاؤں جو (اپنے) ماموں اور خالہ کے اعتبار سے سب لوگوں سے بہتر ہیں؟ کیا میں تمہیں ان کے بارے میں خبر نہ دوں جو (اپنے) ماں باپ کے لحاظ سے سب لوگوں سے بہتر ہیں؟ وہ حسن اور حسین ہیں، ان کے نانا اللہ کے رسول، ان کی نانی خدیجہ بنت خویلد، ان کی والدہ فاطمہ بنت رسول اللہ، ان کے والد علی بن ابی طالب، ان کے چچا جعفر بن ابی طالب، ان کی پچھوپھی ام ہانی بنت ابی طالب، ان کے ماموں قاسم بن رسول اللہ اور ان کی خالہ

رسول اللہ کی بیٹیاں زینب، رقیہ اور امام کاظم ہیں۔ ان کے نانا، والد، والدہ، پچھا، پھوپھی، ماموں اور خالہ (سب) جنت میں ہوں گے اور وہ دونوں (حسین کریمین) بھی جنت میں ہوں گے۔

جن کی رگوں میں مولا علی کا خون ہوا اور ملکہ جنت سیدہ پاک زہراء بتول علیہما السلام کا شیر شامل ہو۔

”حسین منی“ اعلان ہے کہ دنیا والو! حسین کو عظمتوں کو تم اپنی عقل و علم کے ترازوں میں نہیں تول سکتے کیونکہ حسین مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے۔ جب مادر امام حسین ہی ان تمام عوارض سے پاک ہیں یعنی وہ خون جس سے بچے کی نشوونما ہوتی ہے اور وہ بچے کی غذا بنتا ہے تو معلوم ہوا کہ حسن و حسین کی تخلیق ہی نور سے ہوئی۔ کسی شاعر نے کہا ہے:

آئے بیں حسن بوقت ظہر
عصر پڑھ رہی ہے فاطمہ
حضرت آقا کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی تخلیق کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے اپنے نور سے پیدا فرمایا اور حسن و حسین رضی اللہ عنہما کی ولادت خاص نور مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہوئی۔ اس نکتہ کو امام احمد رضا خاں ہی سمجھتے تو بے ساختہ کہنے لگے:

تیری نسل پاک میں ہے بچہ بچہ نور کا
تو ہے عین نور تیرا سب گھرانہ نور کا

۵۔ ”حسین منی“۔۔۔ تربیت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا شاہکار دنیا میں استاد، پیر اور مصلح اور یفارمرزا پنے شاہکار تربیت کو لوگوں کے سامنے فخر سے لاتے ہیں اور ان کے کمالات پر فخر کرتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ شاگرد اور مرید کا کمال اصل میں استاد اور پیر ہی کا فیضان نظر ہوتا ہے۔ سرید نے ایک بار کہا تھا کہ اگر خدا نے پوچھا: کیا لائے ہو؟ تو عرض کروں گا کہ حالی سے مسدس لکھوا کر لایا ہوں۔ ایک سادہ سوال ہے کہ اگر سرید مسدس حالی پر اتنا فخر کریں تو آئیں جمال فرمانِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی رنگینی میں اترتے ہیں۔

”حسین منی“ اسی بات کا دعویٰ ہے کہ قیامت تک آنے والے لوگو!

چاہئے والو! مانے والو!
حسین سے دشمنی کرنے والو! حسین کے قاتلو!

حسین میرا شاہکار تربیت ہے۔ وہ مجھ سے ہے، تم جدھر سے بھی دیکھو گے، تمہیں حسین بے مثل ملے گا، حسین بے مثال نظر آئے گا۔ حسین میرا فخر ہے کہ وہ بدترین حالات اور دشمنوں کے زندگی میں بھی میری تربیت کا پیکر دکھائی دے گا۔

”حسین منی“ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے قیامت تک اعلان ہے کہ میرا حسین مجھ سے ہے۔ زمانہ اسے امن میں آزمائے، اسے مدینہ میں دیکھا لو، اسے حالت احرام میں مکہ المکرہ میں دیکھ لینا، اسے جنگ اور کربلا میں دیکھ لینا، میرا حسین ہر لحاظ اور ہر اعتبار سے تمہیں اکمل اور کامل نظر آئے گا۔ کہیں کوئی کمی اور کمزوری نظر نہیں آئے گی۔ اسی لیے توجوش ملیح آبادی نے کہا تھا:

انسان کو بیدار تو ہو لینے دو
ہر قوم پکارے گی ہمارے بیں حسین
رسول اللہ نے امام حسین کی تربیت کس انداز میں فرمائی اس کے لیے درج ذیل

روایت کا مطالعہ نہایت ضروری ہے۔

عن أبي فاختة رضي الله عنه قال: كان النبي صلی اللہ علیہ وسلم و علي و فاطمة و الحسن و الحسين في بيته فاستسقي الحسن، فقام رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم في جوف الليل، فسقاه، فسألة الحسين فأبى أن يسقيه، فقيل: يا رسول الله صلی اللہ علیک وسلم! كأن حسناً أحب إليك من حسين؟ قال: لا ولكن استسقاني قبله، ثم قال النبي صلی اللہ علیہ وسلم: يا فاطمة! أنا وانت وهذين وهذا الرائق (العلی) في مقام واحد يوم القيمة (ابن عساکر)
”حضرت ابو فاختة (سعید بن علّاق) رضي اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم علی، فاطمہ، اور حسن و حسین رضی اللہ عنہم گھر پر تھے کہ حسن نے پانی مانگا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے آدمی رات کو اٹھ کر انہیں پانی پلا پیا۔ (اسی دوران جبکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت حسن کو پانی پلانے ہی والے تھے) کہ حضرت حسین نے وہی پانی طلب کیا، جسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے دینے سے انکار فرمایا (کیونکہ حسن ان سے قبل پانی مانگ چکے تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم اسی ترتیب سے دینا چاہتے تھے یہ بغرض تعلیم و تربیت تھا)۔ عرض کیا گیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! لگتا ہے کہ آپ کو حسین سے زیادہ حسن محبوب ہے؟ تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ وجہ نہیں بلکہ حسن نے حسین سے پہلے مانگا تھا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے فاطمہ! میں، تم، یہ دونوں (حسن و حسین) اور یہ سونے والا (یعنی علی) قیامت کے دن ایک ہی جگہ پر ہوں گے۔

آقا کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے امام حسین رضی اللہ عنہ کی تربیت ایسے خطوط اور ایسے انداز میں کی کہ قیامت تک حسین کو بے مثل اور بے مثال بنانے کا کرتام اقوام کے لیے قبل تقلید بنادیا گیا۔

5۔ ”حسین منی“۔۔۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وارث

”حسین منی“ کا ایک معنی یہ بھی کہ حسین میری وراثت کا حقدار بھی ہے اور ایں بھی۔ اس سلسلہ میں امام طبرانی سے درج ذیل روایت رہنمائی کرتی ہے:

عَنْ فَاطِمَةَ بْنِتِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهَا أَتَتْ بِالْحَسَنِ وَالْحُسَيْنِ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي شَكُواهِ الَّذِي تُؤْفَى فِيهِ، فَقَالَتْ: يَا رَسُولَ اللَّهِ! هَذَا إِبْنَانِي فَوَرِّثُهُمَا شَيْئًا، فَقَالَ: أَمًا الْحَسَنُ فَلَهُ هَيْبَتِي وَسُودَدِي، وَأَمَا حُسَيْنُ فَلَهُ جُزَّاتِي وَجُودِي.

”خاتون جنت سیدہ فاطمہ زہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ وہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مرض وصال کے دوران حضرت حسن و حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں لاگئیں اور عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! یہ آپ کے شہزادے ہیں، انہیں اپنی وراثت میں سے کچھ عطا فرمائیں! تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: حسن میرے جاہ و جلال اور سرداری کا وارث ہے اور حسین میری جرات و سخاوت کا وارث ہے۔“

رضی اللہ عنہ سے ہے ایسی محبت حسین کریمین کے علاوہ کسی اور سے تاریخ میں تلاش کرنا ممکن نہیں۔

عن فاطمة سلام اللہ علیہا قالت: أن رسول اللہ سلی اللہ علیہ وسلم آتاهَا يوماً. فقال: أين ابني؟ فقلت: ذهب بهما على، فتوجه رسول اللہ سلی اللہ علیہ وسلم فوجدهما يلعبان في مشربة وبين أيديهما فضل من تمر. فقال: ياعلى! لا تقلب ابني قبل الحر (المستدرک) ”سیدہ فاطمہ سلام اللہ علیہا فرماتی ہیں کہ ایک روز حضور نبی اکرم سلی اللہ علیہ وسلم میرے ہاں تشریف لائے اور فرمایا: میرے بیٹے کہاں ہیں؟ میں نے عرض کیا: علی رضی اللہ عنہ ان کو ساتھ لے گئے ہیں۔ نبی اکرم سلی اللہ علیہ وسلم ان کی تلاش میں متوجہ ہوئے تو انہیں پانی پینے کی جگہ پر کھلیتے ہوئے پایا اور ان کے سامنے کچھ کھجور یہی بچی ہوئی تھیں۔ آپ سلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے علی! خیال رکھنا میرے بیٹوں کو گرمی شروع ہونے سے پہلے واپس لے آنا۔“ درج ذیل روایت مفہوم کو بالکل واضح کر دیتی ہے۔

امام حسین رضی اللہ عنہ سے رسول اللہ سلی اللہ علیہ وسلم کو ایسی کامل اور اکمل محبت تھی کہ حسین پاک کی آنکھ میں ایک اشک بھی آقا کریم سلی اللہ علیہ وسلم کو دکھ اور تکلیف میں بتا کر دیتا تھا۔

عن یزید بن أبي زیاد قال: خرج النبی ﷺ من بیت عائشہ فمر علی فاطمة فسمع حسیناً بکی، فقال: ألم تعلمی أن بكاءه يؤذینی (المعجم الكبير)

”یزید بن ابو زیاد سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم سلی اللہ علیہ وسلم حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر سے باہر تشریف لائے اور سیدہ فاطمہ سلام اللہ علیہا کے گھر کے پاس سے گزرے تو حسین کو روتے ہوئے سناء، آپ سلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”کیا تمہیں معلوم نہیں کہ اس کارونا مجھے تکلیف دیتا ہے؟“

اس سلسلہ میں ایک روایت حضرت امّ الفضل کی بھی قابل بیان ہے جو واضح کرتی ہے کہ حسین کریمین کے متعلق رسول اللہ سلی اللہ علیہ وسلم کس قدر حساس تھے۔ معاملہ تو فقط اتنا ہی تھا کہ حسین پاک کو گود میں لے کر حضرت امّ الفضل رسول اللہ سلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں لے کر حاضر ہوئیں تو انہوں نے آقائے کریم کے بطن یا سینہ مبارک پر پیشاب کر دیا۔ حضرت امّ الفضل رضی اللہ عنہا نے ان کے کندھے پر پیار سے بلکی سی ایک چپت رسید کر کے انہیں نبی کریم کی گود سے لینا چاہا تو رسول اللہ سلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لَا تَزْدِي مِي ابْنِي ”میرے بیٹے کو مجھ سے دور نہ کرو“

دوسری روایت کے لفظ ہیں:

أُوْجَعْتِ ابْنِي

”اے چھی! آپ نے میرے بیٹے کو تکلیف دی“

یہ سوال اور تخلیل نہایت تکلیف دہ ہے مگر برموقع ضرور ہے کہ جب رسول کریم سلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے حسین کو حضرت امّ الفضل رضی اللہ عنہا کی پیار سے لگائی ہوئی بلکی سی چپت بھی گوارانیں۔ جب حسین پاک کے جسم مبارک کو برچھوں اور نیزوں سے چھلنی کیا جا رہا ہوگا اور سر حسین کو ان کے تن سے جدا کیا جا رہا ہوگا تو قبلِ مصطفیٰ

ایک اور روایت بھی اسی سلسلے میں ملاحظہ ہو:

عن أم أيمن رضي الله عنها قالت: جاءت فاطمة بالحسن و الحسين إلي النبي ﷺ، فقالت: يانبي الله صلي الله عليك وسلم! انحلهما؟ فقال: نحلت هذا الكبير المهابة والحلم، و نحلت هذا الصغير المحبة والرضي (كنز العمال)

”حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ سیدہ فاطمہ سلام اللہ علیہا حسین کریمین علیہما السلام کو ساتھ لے کر نبی اکرم سلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! ان دونوں بیٹوں حسن و حسین کو کچھ عطا فرمائیں۔ حضور نبی اکرم سلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں نے اس بڑے بیٹے (حسن) کو ہبیت و بردباری عطا کی اور چھوٹے بیٹے (حسین) کو محبت اور رضا عطا کی۔“

”حسین منی“۔۔۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شجاعت کا وارث ”حسین منی“۔۔۔ مصطفیٰ کریم سلی اللہ علیہ وسلم کی جراءت کا وارث ”حسین منی“۔۔۔ رحمۃ الاعلیٰ میں سلی اللہ علیہ وسلم کی جود و سخا کا وارث ”حسین منی“۔۔۔ محبوب رب العالمین سلی اللہ علیہ وسلم کی عطاوں کا وارث ”حسین منی“۔۔۔ سید الانبیاء والمرسلین سلی اللہ علیہ وسلم کی ادائیں کا وارث بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ امام حسین رضی اللہ عنہ انبیاء کے وارث ہیں تو بھی بے جا نہیں ہوگا کیونکہ انبیاء کرام علیہم السلام نے معرکہ حق و باطل میں کسی بھی قسم کی قربانی دینے سے دریغ نہیں کیا۔ ابراہیم علیہ السلام جب باطل حکومت سے ٹکرائے تو نا نمرود میں کو دپڑے، حضرت زکریا علیہ السلام کو آرے سے چیر دیا گیا اور حضرت مسیح علیہ السلام کا سر قلم کر دیا گیا۔

اس اعتبار سے امام عالی مقام انبیاء کرام علیہم السلام کی علمی و معنوی میراث کے وارث ہیں اور وراثت معنوی کی حفاظت کی خاطر جان، مال اور اولاد سب کچھ اللہ کی راہ میں قربان کرنا پڑتا ہے اور یہی اسوہ شبیری ہے کہ جوان علی اکبر سے لے کر ننھے علی اصغر تک سب کچھ قربان کر دیا مگر یزید کی باطل اور ظالم حکومت کو تسلیم کرنے سے انکار کر کے انبیاء کرام کے سچے وارث ہونے کا حق ادا کر دیا۔

۶۔ ”حسین منی“۔۔۔ اتباع رسول سلی اللہ علیہ وسلم کا کامل نمونہ ”حسین منی“ کا ایک اور معنی اور تفسیر یہ بھی ہے کہ جس نے میرے بعد میری سیرت و کردار کا کامل نمونہ دیکھنا ہو تو وہ حسین کی سیرت کا مطالعہ کرے۔ امام حسین پاک جسمانی مشابہت کے علاوہ اخلاق و اوصاف میں بھی اپنے جد کریم سلی اللہ علیہ وسلم سے مشابہت رکھتے تھے۔ آپ رضی اللہ عنہ عبادات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کامل اتباع کرتے تھے۔ آپ سلی اللہ علیہ وسلم کی طرح سخاوت کرنے والے تھے۔ قرآن پاک کی تلاوت کرتے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح روایا کرتے تھے۔ وہی حق کے لیے قربانی، صبر و مصابر ت اور توکل و اعتماد میں بھی آپ اپنے نانا محترم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قیمع تھے۔ اس کا ایک نمونہ ہمیں واقعہ کربلا میں ملتا ہے۔ آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح لوگوں کی آخرت کی فکر کرنے والے تھے۔ میدان کربلا میں آپ کے وعظ اس کی روشن مثالیں ہیں۔

”حسین منی“۔۔۔ حسین کی تکلیف، تکلیف مصطفیٰ سلی اللہ علیہ وسلم ”حسین منی“ کا ایک اور معنی یہ ہے کہ جیسی محبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حسین

کریم سلی اللہ علیہ وسلم کو کتنا دکھا اور تکلیف پہنچی ہوگی !!!

۸۔ "حسین منی"۔ میرے ماں باپ تم پر قربان

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جب رسول کریم سلی اللہ علیہ وسلم سے اپنی محبت کا خراج پیش کرتے تو عرض کرتے "فداک ابی و امی" اور امام عالی مقام سے رسول اللہ سلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کا عالم کا ملاحظہ ہو کہ آپ انہیں دیکھ کر کہتے کہ میرے ماں باپ تم پر قربان۔ درج ذیل روایت کو دل کی آنکھوں سے پڑھیں:

عن سلمان رضی اللہ عنہ قال: کنا حول النبی ﷺ فجاءت ام ایمن فقالت: يا رسول الله صلی الله علیک وسلم! لقد ضل الحسن و الحسين، قال: و ذلك راد النهار يقول ارتفاع النهار. فقال رسول الله ﷺ: "قوموا فاطلبو ابني". قال: و اخذ كل رجل تجاه وجهه واخذت نحو النبي ﷺ فلم يزل حتى اتي سفح جبل وإذا الحسن والحسين متذوق كل واحد منهما صاحبه، وإذا شجاع قائم على ذنبه يخرج من فيه شه النار، فاسرع اليه رسول الله ﷺ، فالتفت مخاطبا بالرسول الله ﷺ، ثم انساب فدخل بعض الأحجرة، ثم اتاهماما اكرمهما على بينهما ومسح وجههما وقال: بأبى وأمي أنتاما اكرمهما على (المعجم الكبير)

"سلمان فارسی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ہم حضور نبی اکرم سلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تھے۔ ام ایمن آپ سلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئیں اور عرض کیا: حسن و حسین علیہما السلام گم ہو گئے ہیں۔ راوی کہتے ہیں دن خوب نکلا ہوا تھا۔ آپ سلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: چلو میرے بیٹوں کو تلاش کرو، راوی کہتا ہے ہر ایک نے اپنا اپنا راستہ لیا اور میں حضور نبی اکرم سلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ چل پڑا، آپ سلی اللہ علیہ وسلم چلتے رہے حتی کہ پہاڑ کے دامن تک پہنچ گئے (دیکھا کہ) حسن و حسین علیہما السلام ایک دوسرے کے ساتھ چھٹے ہوئے ہیں اور ایک اڑوھا اپنی دم پر کھڑا ہے اور اس کے منہ سے آگ کے شعلے نکل رہے ہیں۔ آپ سلی اللہ علیہ وسلم کی طرف تیزی سے بڑھتے تو وہ اڑوھا حضور نبی اکرم سلی اللہ علیہ وسلم کی طرف متوجہ ہو کر سکڑ گیا پھر کھسک کر پتھروں میں چھپ گیا پھر آپ سلی اللہ علیہ وسلم حسین کریمین علیہما السلام کے پاس تشریف لائے اور دونوں کو الگ الگ کیا اور ان کے چہروں کو پونچھا اور فرمایا: میرے ماں باپ تم پر قربان، تم اللہ کے ہاں کتنی عزت والے ہو۔"

اس عنوان محبت کو مؤکد کرتے ہوئے فقط اک اور روایت قبل ملاحظہ ہو:

عن عبد الله بن مسعود رضي الله عنه قال: كان النبي ﷺ للرجل عهدا فدخل الرجل يسلم على النبي ﷺ يصلي، فرأي الحسن والحسين يركبان على عنقه مرة ويركبان على ظهره مرة ويمران بين يديه ومن خلفه، فلما فرغ الصلاة قال له الرجل: ما يقطعان الصلاة؟ فغضب النبي ﷺ فقال: ناولني عهدي. فأخذ ذهنه فمزقه، ثم قال: من لم يرحم صغيرنا ولم يؤقر كبرنا فليس منا ولا أنامنه (محب طبرى)

"حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم سلی اللہ علیہ وسلم نے کسی شخص کو عہد نامہ لکھ کر دیا تو اس شخص نے حاضر ہو کر آپ سلی اللہ علیہ وسلم کو حالت نماز میں سلام عرض کیا، پھر اس نے دیکھا کہ حسن اور حسین علیہما السلام بھی آپ سلی اللہ علیہ وسلم کی گردان مبارک اور بھی پشت مبارک پر سوار

۹۔ "حسین منی"۔ نماز رسول میں حسین

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم عمومی طور پر یہ ہے کہ ان بچوں کو مسجد میں نہ لایا جائے جو پاکیزگی اور طہارت کی باتوں کو نہ سمجھتے ہوں۔

ارشاد مبارک ہے:

جَنِيبُوا مَسَاجِدَكُمْ صِبَيَّانَكُمْ، وَمَجَانِينَكُمْ (ابن ماجہ)

"اپنی مسجدوں کو بچوں اور پاگلوں سے دور رکھو۔"

مگر سیدنا حسین پاک سے محبت کا منظر دیکھنا ہو تو صرف مسجد نبوی میں نہیں بلکہ عین حالت نماز میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حسین رضی اللہ عنہ کو دیکھ لیں اور ایسا ایک بار نہیں بلکہ اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم اس منظرو کو وزانہ ہی دیکھتے۔ درج ذیل روایت کو ملاحظہ فرمائیں:

عن عبد الله بن مسعود رضي الله عنه قال: كان النبي ﷺ فجاءت ام ايمان فقالت: يا رسول الله صلی الله علیک وسلم! لقد ضل الحسن و الحسين، قال: و ذلك راد النهار يقول ارتفاع النهار. فقال رسول الله ﷺ: "قوموا فاطلبو ابني". قال: و اخذ كل رجل تجاه وجهه واخذت نحو النبي ﷺ فلم يزل حتى اتي سفح جبل وإذا الحسن والحسين متذوق كل واحد منهما صاحبه، وإذا شجاع قائم على ذنبه يخرج من فيه شه النار، فاسرع اليه رسول الله ﷺ، فالتفت مخاطبا بالرسول الله ﷺ، ثم انساب فدخل بعض الأحجرة، ثم اتاهماما اكرمهما على بينهما ومسح وجههما وقال: بأبى وأمي أنتاما اكرمهما على (المعجم الكبير)

"حضرت عبد الله بن مسعود رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم سلی اللہ علیہ وسلم نماز ادا فرمائے تھے، جب سجدے میں گئے تو حسین کریمین علیہما السلام آپ سلی اللہ علیہ وسلم کی پشت مبارک پر سوار ہو گئے، جب لوگوں نے انہیں سوار ہونے دو، پھر جب نماز ادا فرمائے تو آپ سلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں کو اپنی گود میں لے لیا۔"

جسے حسین اچھا نہیں لگتا اس کا مصطفیٰ کریم سے کوئی تعلق نہیں "حسین منی" کا مقام اور رتبہ یہ ہے کہ اگر کسی نے کبھی اعتراض کیا کہ عین حالت نماز میں بلکہ عین حالت جماعت میں حسین کبھی آگے سے گزرتے ہیں، کبھی پشت پر سوار ہوتے ہیں، کبھی منبر پر چڑھتے اترتے ہیں، ایسا کرنے سے نماز میں خلل واقع ہو جاتا ہے۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے بندے سے ہر معاہدہ اور تعلق ختم کرنے کا اعلان فرمادیا۔

محب طبری سے یہ روایت ملاحظہ ہو:

عن أنس بن مالك رضي الله عنه قال: كتب النبي ﷺ للرجل عهدا فدخل الرجل يسلم على النبي ﷺ يصلي، فرأي الحسن والحسين يركبان على عنقه مرة ويركبان على ظهره مرة ويمران بين يديه ومن خلفه، فلما فرغ الصلاة قال له الرجل: ما يقطعان الصلاة؟ فغضب النبي ﷺ فقال: ناولني عهدي. فأخذ ذهنه فمزقه، ثم قال: من لم يرحم صغيرنا ولم يؤقر كبرنا فليس منا ولا أنامنه (محب طبرى)

"حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم سلی اللہ علیہ وسلم نے کسی شخص کو عہد نامہ لکھ کر دیا تو اس شخص نے حاضر ہو کر آپ سلی اللہ علیہ وسلم کو حالت نماز میں سلام عرض کیا، پھر اس نے دیکھا کہ حسن اور حسین علیہما السلام بھی آپ سلی اللہ علیہ وسلم کی گردان مبارک اور بھی پشت مبارک پر سوار

فَلِمَا أَرَادَ اللَّهُ تَعَالَى أَنْ يَخْلُقَ الْخَلْقَ، قَسَمَ ذَالِكَ النُّورَ أَرْبَعَةَ أَجْزَاءٍ: فَخَلَقَ مِنَ الْجَزِءِ الْأَوَّلِ الْقَلْمَ، وَمِنَ الثَّانِي الْلَّوْحَ، وَمِنَ الْثَالِثِ الْعَرْشَ، ثُمَّ قَسَمَ الْجَزِءَ الرَّابِعَ أَرْبَعَةَ أَجْزَاءٍ، فَخَلَقَ مِنَ الْأَوَّلِ حَمْلَةَ الْعَرْشِ، وَمِنَ الثَّانِي الْكَرْسِيِّ، وَمِنَ الْثَالِثِ بَاقِيَّ الْمَلَائِكَةِ، ثُمَّ قَسَمَ الْجَزِءَ الرَّابِعَ أَرْبَعَةَ أَجْزَاءٍ، فَخَلَقَ مِنَ الْأَوَّلِ السَّمَوَاتِ، وَمِنَ الثَّانِي الْأَرْضِينَ، وَمِنَ الثَّالِثِ الْجَنَّةِ وَالنَّارِ (الْمَوَاهِبُ الْلَّدُنِيَّةُ)

”جب اللہ تعالیٰ نے ارادہ فرمایا کہ مخلوقات کو پیدا کرے تو اس نور کو چار حصوں میں تقسیم کر دیا: پہلے حصے سے قلم بنایا، دوسرے سے لوح اور تیسرے سے عرش۔ پھر چوتھے حصے کو چار حصوں میں تقسیم کیا تو پہلے حصے سے عرش اٹھانے والے فرشتے بنائے اور دوسرے سے کرسی اور تیسرے سے باقی فرشتے۔ پھر چوتھے کو مزید چار حصوں میں تقسیم کیا تو پہلے سے آسمان بنائے، دوسرے سے زمین اور تیسرے سے جنت اور دوزخ۔“

جنت کو نبی کریم ﷺ کے نور سے پیدا کیا اور پھر اس کائنات کو زینت حسین کر دیں رضی اللہ عنہما کے نور سے دی۔ کائنات میں سب سے خوبصورت اور جمال آفرین مقام جنت ہے۔ جس کے حُسن و جمال کو قرآن مجید نے بیان فرمایا ہے اور جس میں داخل ہونے کی دعا ہر مسلمان کرتا ہے۔ اُس جنت کو حُسن و جمال اللہ تعالیٰ نے حسین کے ساتھ عطا فرمایا:

عن عقبة بن عامر رضي الله عنه، أن رسول الله ﷺ قال :
الحسن والحسين شنفا العرش وليس بمعلقين، وإن النبي
ﷺ قال : إذا استقر أهل الجنة في الجنة ، قالت الجنة : يا
رب ! وعدتني أن تزييني بركتين من أركانك ! قال : أولم
أزيئك بالحسن والحسين ؟
(المعجم الأوسط)

”عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: حسن اور حسین عرش کے دوستوں ہیں لیکن وہ لٹکے ہوئے نہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب اہل جنت، جنت میں مقیم ہو جائیں گے تو جنت عرض کرے گی: اے پروردگار! تو نے مجھے اپنے ستونوں میں سے دوستوں سے مزین کرنے کا وعدہ فرمایا تھا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: کیا میں نے تجھے حسن اور حسین کی موجودگی کے ذریعے مزین نہیں کر دیا؟“

دلچسپ سوال تو یہ ہے کہ حدیث مبارک میں ہے کہ جہنم کو بھی رسول اللہ ﷺ کے نور سے پیدا کیا گیا اور یہ جلال مصطفیٰ ﷺ کی مظہر ہے۔ تو افضل کون ہے؟ درج ذیل روایت اس سلسلے میں قابل ملاحظہ ہے:

عن أنس رضي الله عنه قال : قال رسول الله ﷺ : فخرت
الجنة على النار فقالت : أنا خير منك ، فقالت النار : بل أنا خير
منك ، فقالت لها الجنة إستفهاماً : و ممّه ؟ قالت : لأن في
الجبابرة و نمرود و فرعون فأسكتت ، فأوحى الله إليها : لا
تخضعين ، لأن زين ركنيك بالحسن و الحسين ، فماست كما
تميس العروس في خدرها
(المعجم الأوسط)

ہوتے ہیں اور حالت نماز میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے آگے پچھے سے گزر رہے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نماز سے فارغ ہونے کے بعد اس شخص نے کہا: کیا وہ دونوں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نمازنہیں توڑتے؟ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جلال میں آکر فرمایا: مجھے اپنا عہد نامہ دو۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے لے کر پھاڑ دیا اور فرمایا: جو ہمارے چھوٹوں پر رحم اور بڑوں کا ادب نہیں کرتا وہ ہم میں سے نہیں اور نہ ہی میں اس سے ہوں۔“

درج بالا روایت سے دونکات نہایت واضح ہوتے ہیں:

۱- حسین کریمیں رضی اللہ عنہما کی وجہ نماز سے خلل پیدا ہوتا ہے، یہ اعتراض اور سوال کبار صحابہ میں سے کسی نہیں کیا یعنی حضرت ابو بکر و عمر و عثمان و ابوزر وغیرہ رضی اللہ عنہم نے یہ سوال نہیں کیا کیونکہ وہ منشاء رسالت، مزاج رسول اور مقام حسین کو صحیح تھے۔ نیز وہ حسین پاک کو اکثر مسجد میں اپنے نانا کے ساتھ یوں محبت سے انکھیاں کرتے ہوئے دکھتے تھے۔

۲۔ عمومی سنت پاک یہی تھی کہ جس سے معاہدہ کیا۔ اُسے قائم رکھتے جبکہ تک دوسرا فریق معاہدہ توڑنہیں دیتا۔ جس کی بڑی روشن اور واضح مثال صلح حدیبیہ کے موقع کی ہے جب معاہدہ لکھے جانے سے بھی پہلے رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابو جندل رضی اللہ عنہ کو کفار کو واپس کر دیا۔ صرف اس لیے کہ زبانی شرائط طے پا چکی تھیں۔ مگر اس حدیث پاک نے بتایا کہ معاہدہ لکھا جا چکا تھا اور سائل کے حوالے بھی کر دیا گیا تھا مگر حسین کریمین پر مفترض ہونے کے بعد رسول اللہ ﷺ نے وہ معاہدہ ختم فرمادیا بلکہ اُسے ٹکڑے ٹکڑے کر کے قیامت تک آنے والے لوگوں کے لیے واضح فرمادیا کہ جسے حسن اور حسین اچھے نہیں لگتے ان کا اللہ کے محبوب سے کوئی واسطہ نہیں ہے۔
”حسین منی“ کا معنی یہ ہے کہ جس نے حسین کی عظمت کو تسلیم نہیں کیا اُس نے حقیقت میں مصطفیٰ ﷺ کو تسلیم نہیں کیا۔

اسی مفہوم کو موکد کرتی ایک اور روایت ملاحظہ ہو:

عن أنس رضي الله عنه قال : كان رسول الله ﷺ يسجد فيجيء الحسن أو الحسين فيركب علي ظهره فيطيل السجود . فيقال : يا نبی اللہ ! أطلت السجود ، فيقول : ارتحلني ابني فكرهت أن أعلجه (ابويعلي)

”حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سجدے میں ہوتے تو حسن یا حسین علیہما السلام آتے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی کمر مبارک پر سوار ہو جاتے جس کے باعث آپ صلی اللہ علیہ وسلم سجدوں کو لمبا کر لیتے۔ ایک موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا گیا: اے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! کیا آپ نے سجدوں کو لمبا کر دیا ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھ پر میرا بیٹا سوار تھا اس لئے (سجدے سے اٹھنے میں) جلدی کرنا اچھا ہے اگلا“

۱۰۔ ”حسین منی“، --- جنت کا حُسن حُسین سے ہے
 ”حسین منی“، ایک اور دلکش معنی یہ بھی ہو سکتا ہے کہ کائنات کی تخلیق اللہ رب العالمین نے مصطفیٰ کریم ﷺ کے نور سے کی ہے۔

ارشاد رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہے:

أَبِي طَالِبٍ لَحْمُه لَحْمِي، وَدَمُه دَمِي (المعجم الكبير)
 ”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ یہ علی
 ابن طالب ہے اس کا گوشت میرا گوشت اور اس کا خون میرا خون ہے۔“
 پس معلوم ہوا کہ حسین پاک کے مثل عضو و جزو بدن رسول ہونے کے قرائن اور
 دلائل موجود ہیں۔ ”حسین منی“ کی تعبیر و تفسیر کی ایک جمال پرور جہت یہ بھی ہے کہ
 حسین میرے جسم اور بدن کا حصہ ہے۔ مدینہ پاک کا وہ مقام یہاں رسول پاک
 صلی اللہ علیہ وسلم کا جسم اقدس و اطہر موجود ہے۔ فقہائے کرام کے نزدیک زمین کا وہ تکڑا عرش
 عظم سے بھی افضل ہے تو مقام حیرت ہی ہو سکتا ہے کہ اللہ رب العالمین کی بارگاہ میں
 مقام حسین کریمین کیا ہو گا؟

یقیناً حضرت امام حسین علیہ السلام، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرزند اور آنحضرت کی
 نسل میں سے ہیں اور حضرت امام حسین علیہ السلام شجر بنت کی شاخوں میں سے ہیں۔
 لیکن یہ جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”میں حسین سے ہوں“ اس سے کیا مراد
 ہے؟ آئیے! اس کو صحیح کی کوشش کرتے ہیں:

(1). وَانَّمِنْ حَسِينٍ۔۔۔ شَهَادَتُ رَسُولَ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَمَظْهَرٍ
 شہادت ایک عظیم اعزاز ہے جو پہلے انبیاء کرام علیہم السلام میں سے بہت انبیاء کو
 یافت عطا فرمائی۔ حضرت زکریا اور حضرت یحییٰ علیہما السلام کو بھی شہادت کا رتبہ ملا۔
 سوال یہ ہے کہ اول تا آخر تمام انبیاء کو عطا کردہ تمام کمالات اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب
 صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات و سیرت میں درج کمال پر جمع فرمائے۔ شہادت بھی ایک ایسا ہی
 رتبہ اور درجہ ہے۔ لہذا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شہادت کی انتہائی آرزو رکھتے تھے۔ درج
 ذیل دعا اس شدت خواہش کو ظاہر کرتی ہے۔

چنانچہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مردی ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی
 اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے سن:

**وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَوَدِدْتُ أَنِّي أُقْتُلُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ، ثُمَّ أُحْيَا، ثُمَّ
 أُقْتُلُ، ثُمَّ أُحْيَا، ثُمَّ أُقْتُلُ، ثُمَّ أُحْيَا، ثُمَّ أُقْتُلُ** (بخاری شریف)
 ”قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! میرا جی چاہتا
 ہے کہ میں اللہ کی راہ میں شہید کر دیا جاؤں، پھر زندہ کیا جاؤں، پھر شہید کر
 دیا جاؤں، پھر زندہ کیا جاؤں، پھر شہید کر دیا جاؤں، پھر زندہ کیا جاؤں اور
 پھر شہید کر دیا جاؤں اس طرح یہ سلسلہ خدا کی راہ میں جان دینے کا چلتا
 رہے۔“

شہادت کا جو ہر شہادت کی آرزو ہے، اگر آرزو نہ ہو، کوشش اور خواہش یہ ہو کہ نج
 نکلوں لیکن دشمن کی گولی سے مرجا نہیں تو اس صورت میں مر کر بھی شہید نہیں، تلوار سے
 مارے گئے مگر تلوار کھا کر بھی شہید نہیں، تلوار ہو گی مگر دیدار نہ ہو گا چونکہ شہید نہیں
 ہوئے، کوشش یہ ہی کہ نج نکلوں، اتفاق سے مارے گئے، بچنے کا موقع نہیں ملا۔ پس
 شہادت کے لئے لازم ہے کہ شہادت کی آرزو ہو اس کو جو ہر شہادت کہتے ہیں۔

اگر شہادت کی آرزو بھی ہو تو بندہ ایک ہی دفعہ کہتا ہے کہ باری تعالیٰ! میری آرزو
 ہے کہ مجھے اپنی راہ میں شہید کر دے۔ مگر آقا کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ باری تعالیٰ
 تیری راہ میں جان دوں، پھر تو جان دے پھر میں دوں، تو دیتا جائے اور میں تجھے دیتا
 جاؤں۔ یہ فقط آرزوئے شہادت نہیں بلکہ یہ توکمال آرزوئے شہادت ہے، یہ انتہائے

”حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے
 فرمایا: ایک مرتبہ جنت نے دوزخ پر فخر کیا اور کہا میں تم سے بہتر ہوں،
 دوزخ نے کہا: میں تم سے بہتر ہوں۔ جنت نے دوزخ سے پوچھا کس وجہ
 سے؟ دوزخ نے کہا: اس لئے کہ مجھے میں بڑے جابر حکمران فرعون
 اور نمرود ہیں۔ اس پر جنت خاموش ہو گئی، اللہ تعالیٰ نے جنت کی طرف وحی
 کی اور فرمایا: تو عاجز لا جواب نہ ہو، میں تیرے دوستوں کو حسن اور حسین
 کے ذریعے مزین کر دوں گا۔ پس جنت خوشی اور سرور سے ایسے شرماگئی جیسے
 دہن شرماتی ہے۔“

۱۱۔ ”حسین منی“۔۔۔ جزو بدن رسول صلی اللہ علیہ وسلم

آخر میں حدیث شریف کے اس حصہ کی روشنی میں قابل غور بات یہ ہے کہ فقط
 ایسا نہیں کہ امام حسین رضی اللہ عنہ صورت میں شہماہت رسول رکھتے تھے اور سیرت و
 کردار و اخلاق میں بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کامل نمونہ اور عکس تھے بلکہ امام پاک عین
 عضو بدن رسول ہیں۔

یہ روایت معروف ہے:

**قَالَتْ أُمُّ الْفَضْلِ: يَا رَسُولَ اللَّهِ رَأَيْتُ كَانَ فِي بَيْتِي عُضُواً مِنْ
 أَعْضَائِكَ، قَالَ: »خَيْرًا رَأَيْتَ، تِلْدُ فَاطِمَةُ عَلَّامًا فَتَرْضِعِيهِ«،
 فَوَلَدَتْ حُسَيْنًا، أَوْ حَسَنًا، فَأَرْضَعَتْهُ بِلَبِنِ قُثْمٍ، قَالَتْ: فَجِئْتُ بِهِ
 إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَوَضَعَتْهُ فِي حَجْرِهِ، فَبَالَّ
 فَضَرَبَتْ كَتِفَهُ، فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: »أَوْجَعَتِ
 ابْنِي، رَحِمْكَ اللَّهُ**

”حضرت ام الفضل بیان کرتی ہیں کہ میں نے عرض کی۔ یا رسول اللہ! میں
 نے خواب میں دیکھا کہ آپ کے جسم کا ایک تکڑا اخذہ ہو کر میرے گھر میں
 آگیا ہے۔ جواب آقا کریم نے ارشاد فرمایا کہ اچھا خواب ہے۔ اس کی تعبیر
 یہ ہے کہ فاطمہ ایک بچے کو جنم دے گی اور تم اسے دودھ پلاوے گی۔ پھر سیدہ
 پاک نے حسن یا حسین کو جنم دیا اور میں اپنے قشم کے ساتھ اپنی بھی دودھ
 پلا یا۔ پھر میں ان کو لے کر حجرہ میں رسول اللہ کے پاس لے کر آئی تو اس
 بچے نے رسول اللہ کے لباس مبارک پر پیش اب کر دیا۔ میں نے اس کے
 کندھے پر بلکل سی چپت لگائی۔ رسول اللہ نے فرمایا کہ تو نے میرے بیٹے کو
 تکلیف دی۔ اللہ تجھ پر رحم فرمائے۔“

حضرت ام الفضل نبی کریم کی چھی ہیں۔ وہ کہتی ہیں کہ نبی کریم کے جسم کے
 تکڑے دیکھنا، ایک خوفناک خواب تھا۔ مگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس خواب کو خیر پر
 تعبیر کیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ حسین پاک علیہ السلام عضو بدن رسول ہوں ہیں۔ اور یہی
 معنی ”حسین منی“ کا ہے کہ حسین میرے جسم کا تکڑا اور حصہ ہے۔ مادر حسین سیدہ پاک
 سلام اللہ علیہما کے بارے میں آقا کریم کا فرمان مبارک معروف ہے
فَاطِمَةُ بَضْعَةُ مِنِي (بخاری شریف)
 ”فاطمہ میرے جگہ کا تکڑا ہے۔“

حسین پاک کے بابا کے بارے میں ارشاد رسول ہے:
قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِأَمِّ سَلَمَةَ: »هَذَا عَلَيُّ بُنْ

صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں حضرت امام حسین علیہ السلام کے جسم مبارک سے روح کو قبضہ کیا گیا۔

جو ہر شہادت بشكل انتہائی آرزو وجود مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم میں تھا مگر صورتِ شہادت در کار تھی اور جب صورت کی باری آتی تو اللہ کا وعدہ آڑے آجاتا۔ حیاتِ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم میں شہادت کے موقع تو بارہا آئے مگر ہر بار اللہ رب العالمین کی حفاظتِ رسول کا وعدہ سامنے رہا۔

غزوہ خیر میں ایک یہودیہ زینب بنت الحارث زہر میں بھنا ہوا گوشت لا کر آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں پیش کرتی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حضرت بشیر بن براء رضی اللہ عنہ بھی ہیں، دونوں نے اس گوشت سے کچھ کھایا تو پھر گوشت سے آواز آئی: آقا صلی اللہ علیہ وسلم میں زہر آلوہوں، مزید نہ کھائیے۔ (سنن ابی داؤد)

یہ آواز کھانے سے قبل بھی پلیٹ سے آسکتی تھی، کھانے سے پہلے گوشت کو چپ کیوں رکھا؟ کھانے دیا جب تھوڑا القمہ کھا چکے تو پھر گوشت کی وہ بوئیاں بولیں کہ ہم زہر آلوہ ہیں، پہلے اس گوشت کو اذن گویائی اس لئے نہ دیا کہ زہر آلوہ گوشت کھانا مقصود تھا اور فوراً بول اس لئے پڑیں کہ زہر آلوہ گوشت سے بچانا بھی تھا، کھانا بھی تھا اور وَاللَّهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ کے وعدہ الہیہ کے تحت بچانا بھی تھا۔ ساتھ کھانے میں شریک صحابی نے بھی گوشت کھایا، وہ وہیں انتقال پا گئے، ان کی شہادت سے پتہ چلا کہ زہر اتنا طاقتور تھا کہ ایک بوٹی بھی انسان کی جان لینے کے لئے کافی تھی، ان کی شہادت اس ثبوت کے لئے ہوئی کہ پتہ چل جائے کہ شہادت کے لاٹ کافی زہر کھایا گیا مگر آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات اسلئے نہیں ہوئی کہ اللہ کا وعدہ ہے کہ دشمن کے ہاتھ سے مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات نہ ہوگی۔ پس شہادت کا جو ہر بھی پایا گیا اور غزوہ خیر میں شہادت سری کی ابتداء بھی مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں ہو گئی۔

غزوہ احمد کے دن دشمنوں نے نیزے اور تیر سے حملہ کیا، آقا صلی اللہ علیہ وسلم کے دندان مبارک شہید ہوئے۔ غزوہ احمد میں دشمن کا حملہ بھی ہوا۔ دندان مبارک کا ایک کنارہ بھی شہید ہوا، خون بھی بہا، شہادت کی افواہ بھی پچھلی مگر شہادت نہ ہوئی۔ پس آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پاک میں شہادت کا جو ہر تھا، مگر شہادت کا ظہور تام باقی تھا۔ شہادت کے عمل کو بھی انتہاء تک پہنچا تھا جس کے اجزاء کا ظہور تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات پاک میں ممکن تھا مگر اس کی انتہا ممکن نہ تھی۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو نعمتِ شہادت سے سرفراز کرنے کے لئے ضروری تھا کہ شہادت کی تکمیل و انتہاء اور ظہور تام کے لئے ایسے وجود کی ضرورت تھی کہ وَاللَّهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ کا وعدہ الہیہ بھی پورا ہو جائے اور نعمتِ شہادت بھی میسر آجائے۔ جو اپنا بھی ہو، غیر نہ ہو، اس میں جزئیت بھی ہو اور مشابہت بھی۔۔۔ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے جزء بھی ہوں، الگ بھی ہوں۔۔۔ عین بھی ہوں، وگر بھی ہوں۔۔۔ لخت بھی ہوں، جگر بھی ہوں۔۔۔ الگ بھی ہوں اور ایسے بھی ہوں کہ دیکھیں تو مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم لگیں۔۔۔ اور صاف ظاہر ہے پھر ان کے جوماں بآپ ہوں وہ بھی مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے اپنے ہوں ان میں بھی جزئیت ہو، ان میں بھی مشابہت ہو، ان میں بھی اپنا نیت ہو، ان میں بھی مظہریت ہو۔ قدرت نے شہادتِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہور تام کے لئے امام حسین رضی اللہ عنہ کا انتخاب کیا۔ انا من حسین۔۔۔ مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شہادت کا مظہر شہادت حسین پاک علیہ السلام ہے۔

آرزو ہے۔ شانِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم بھی یہ ہے کہ جو خوبی مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم میں ہو وہ فقط ہو ہی نہیں بلکہ ہو وہ اس قدر درجہِ کمال پر ہو کہ کائنات میں کسی میں یہ خوبی اتنے بلند درجے کی نہ ہو لہذا آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں آرزوئے شہادت اس کمال کی تھی۔ مگر وعدہِ الہی یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ آپ کو لوگوں سے بچائے گا۔ یہ وعدہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اللہ تعالیٰ کی راہ میں شہید ہونے سے مانع تھا جبکہ یہ بھی ضروری تھا کہ محبوب رب العالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا قبول ہوا اور یہ بھی نہیں ہو سکتا تھا کہ شہادت کی خواہش پوری نہ ہوتی۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی خواہش کو یوں پورا فرمایا کہ آپ کے نواسے حضرت امام حسین علیہ السلام کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جو ہر شہادت کے ظہور تام کے لئے منتخب فرمایا چنانچہ شہادتِ حسین سیرتِ النبی صلی اللہ علیہ وسلم کا باب بھی بن گئی۔ اس لئے ضروری تھا کہ امام پاک کی شہادت کو اتنا چرچا اور شہرت ملے کہ اس کے مقابلے میں کسی اور شہادت کو وہ مقام حاصل نہ ہو سکا ہو۔ یہی وجہ یہ کہ دوسروں کی شہادت کی شہرت اور چرچا ان کے شہید ہونے کے بعد ہوتا ہے مگر حضرت امام حسین علیہ السلام کی شہادت کی خبر ان کی ولادت کے ساتھ آگئی تھی اور اس کا چرچا ان کے بچپن سے ہو چکا تھا۔ حضرت امام حسین علیہ السلام ابھی بچے تھے کہ آقا نے دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو اس جگہ کی میٹی عطا فرمائی جہاں امام حسین علیہ السلام نے شہادت پانا تھی۔ یہ بات قابل غور ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا جو کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنی سب ازواج میں سے زیادہ محبوب تھیں ان کو میٹی عطا نہیں فرمائی اور زوجہ مطہرہ کے سپرد فرمائی بلکہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے حوالے فرمائی اور فرمایا کہ اے ام سلمہ! جب یہ میٹی خون میں بدلت جائے تو سمجھ لینا کہ میرا بیٹا شہید ہو گیا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی نگاہِ نبوت سے دیکھ رہے تھے کہ میرے بیٹے کی شہادت کے وقت ازواج مطہرات میں سے صرف ام سلمہ ہی زندہ ہوں گی چنانچہ جب واقعہ کر بلطفہ حضور پذیر ہوا اس وقت صرف ام سلمہ رضی اللہ عنہا ہی زندہ تھیں، حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی باقی تمام ازواج مطہرات وفات پا چکی تھیں۔ محبوب خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ صرف یہ کہ اس جگہ کی نشاندہی فرمائی تھی جہاں حضرت امام حسین علیہ السلام نے شہادت فرمانا تھی بلکہ اس سن کی طرف اشارہ بھی فرم دیا تھا جس سن و سال حضرت امام حسین علیہ السلام کی شہادت ہونے والی تھی۔

آقا علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زبانِ اقدس سے نہ صرف یہ کہ حضرت امام حسین علیہ السلام کی شہادت، جائے شہادت اور سن شہادت کو پہلے سے بتلا دیا گیا تھا بلکہ اس بات کی بھی پہلے سے نشاندہی کی جا چکی تھی کہ میدان کر بلائیں اہل بیت کرام کے خیے کس کس جگہ نصب ہوں گے اور کس کس جگہ پرانا کا خون بہے گا۔ الغرض شہادتِ حسین علیہ السلام پر اتنی صریح شہادتیں اور واضح دلائل موجود ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مبارکہ میں ہی ہر خاص و عام میں حضرت امام حسین علیہ السلام کی شہادت کا چرچا ہو چکا تھا۔

شہادتِ امام حسین کو دوسروی شہادتوں سے اس اعتبار سے بھی امتیاز حاصل ہے کہ دوسروی شہادتیں مشہود بالملائکہ ہوتی ہیں جبکہ حضرت امام حسین علیہ السلام کی شہادت مشہود بالنبی صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ دوسروی شہادتوں میں صرف فرشتے حاضر ہوتے ہیں بلکہ حضرت امام حسین علیہ السلام وہ خوش قسمت شہید ہیں کہ ملائکہ تو ملائکہ خود تا جدار کائنات صلی اللہ علیہ وسلم اپنے نواسے کی شہادت کے وقت موجود تھے اور حضور نبی اکرم

2-وانامن حسین۔۔تاقیامت محافظ دین

”انامن حسین“ کا اک معنی یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے دین کا محافظ میرا بیٹا حسین ہو گا۔ جب دین پر کڑا وقت آئے گا اور میرے دین کے اصولوں کو سخن کیا جائے گا تو میرا علی حسین ہی قربانی دے کر اس دین کو محفوظ کرے گا اور اس بات سے اللہ رب العالمین نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو آگاہ فرمادیا تھا۔ ترمذی شریف کی روایت ملاحظہ ہو:

فَإِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أُرِيَ بَنِي أُمَّةَ عَلَى مُنْبَرٍ فَسَأَءَدَهُ ذَلِكَ، فَنَزَّلَتْ: {إِنَّا أَعْطَيْنَاكَ الْكَوْثَرَ} يَا مُحَمَّدُ، يَعْنِي نَهَرًا فِي الْجَنَّةِ، وَنَزَّلَتْ: {إِنَّا أَنْزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةِ الْقَدْرِ وَمَا أَدْرَاكَ مَا لَيْلَةُ الْقَدْرِ لَيْلَةُ الْقَدْرِ خَيْرٌ مِنْ أَلْفِ شَهْرٍ} [القدر: 2] يَمْلِكُهَا بَعْدَكَ بَنُو أُمَّةَ يَا مُحَمَّدُ» قال القاسم، فَعَدَّدَنَا هَا فَإِذَا هِيَ أَلْفُ شَهْرٍ لَا تَزِيدُ يَوْمًا وَلَا تَنْقُصُ

(ترمذی)
”نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بنی امیہ اپنے منبر پر رکھائے گئے تو آپ کو یہ چیز بڑی لگی، اس پر آیت «إِنَّا أَعْطَيْنَاكَ الْكَوْثَرَ» ”اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! ہم نے آپ کو کوثر دی“، نازل ہوئی۔ کوثر جنت کی ایک نہر ہے اور سورۃ القدر کی آیات «إِنَّا أَنْزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةِ الْقَدْرِ وَمَا أَدْرَاكَ مَا لَيْلَةُ الْقَدْرِ خَيْرٌ مِنْ أَلْفِ شَهْرٍ» ”ہم نے قرآن کوشب قدر میں اتنا، اور تمہیں کیا معلوم کہ شب قدر کیا ہے؟ شب قدر ہزار مہینے سے بہتر ہے“، نازل ہوئیں، اے محمد تیرے بعد بنو امیہ ان مہینوں کے مالک ہوں گے۔ قاسم بن فضل حدانی کہتے ہیں: ہم نے بنی امیہ کے ایام حکومت کو گنا تزوہ ہزار مہینے ہی لکھے نہ ایک دن زیادہ نہ ایک دن کم“۔

منبر رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی بنو امیہ کے ہاتھوں بے حرمتی اس بات کی واضح خبر تھی کہ دین رسول اس دور میں پا ہعمال کیا جائے گا اور اس کی حفاظت میرا حسین کرے گا۔ اس اعتبار سے امام حسین 626ء سے 680ء تک اپنے کریم اور شفیق نانا کی حدیث حسین بنی (حسین مجھ سے ہے) کا عملی نمونہ بن کر رہے اور 680ء کے بعد وَأَنَامِنَ الْحُسَيْنِ (اور میں حسین سے ہوں) کی عملی تفسیر بن گئے۔

حضرت امام حسین علیہ السلام نے دین محمدی کی حیات کے لیے بہت کوشش کی، حتیٰ کہ اپنے عزیز ترین افراد کو اس راستے میں قربان کر دیا، دین نے امام حسین علیہ السلام سے دوبارہ حیات لی اور تسلسل پایا، اسی لیے واقعہ کربلا کے بعد ثابت ہو گیا کہ اسلام اللہ کے محبوب کے ذریعہ وجود میں آیا اور محبوب کے محبوب یعنی حضرت امام حسین علیہ السلام کے ذریعہ باقی رہا۔ شہنشاہ ولایت حضرت خواجہ اجمیری غریب نواز علیہ الرحمہ کا امام پاک کی بارگاہ میں خراج عقیدت اس عقدہ کو حل کر دیتا ہے کہ دین کا محافظ بھی حسین ہے اور دین کی بنیاد بھی حسین ہی ہے۔

شاہ است حسین ، بادشاہ است حسین
دیں است حسین ، دیں پناہ است حسین
سر داد دست نہ داد در دست یزید
حقاً کہ بنائے لا الہ است حسین
صرف حسین ہی نہیں بلکہ قیامت تک فکر حسینی بھی دین کی محافظ ہے اور کردار حسینی

اسلام کی بقا اور حیات کی ضامن ہے۔

اسی لیے مولانا ظفر علی خان نے کہا تھا:

قتل حسین اصل میں مرگ یزید ہے
اسلام زندہ ہوتا ہے ہر کربلا کے بعد
وانامن حسین۔۔ میرے ہر کمال کا ظہور حسین سے ہے

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی حیات مبارک میں چار اہم مرحلے سے گزرے اور امام حسین رضی اللہ عنہ کو بھی ایسے ہی چار محاذاوں کو اپنی زندگی میں سامنا کرنا پڑا۔ اگرچہ ان محاذاوں کے سامنا کرنے کا طریقہ کار اور حکمت عملی حالات کے تقاضوں کے مطابق مختلف ہے۔

پہلا مرحلہ۔۔۔ بھرت

حیات رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم میں ایک نہایت اہم موڑ بھرت کا ہے۔ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ سے مدینہ کی طرف بھرت کی۔ یہ بھرت اس لیے اہم ترین ہے کہ اسی سے اسلام کے عروج کا دور شروع ہوا۔ اسلامی ریاست وجود میں آئی اور اسلام ایک عملی، معاشرتی، معاشی اور سیاسی قوت کے طور پر اقوام عالم کے سامنے آیا۔ مگر امام حسین رضی اللہ عنہ کو مدینہ سے بھرت کرنا پڑی۔ آپ نے مدینہ سے مکہ اور پھر مکہ سے کربلا کی طرف بھرت کی۔ اپنا گھر بارا پنے نانا اللہ کے رسول کے طریقے پر اللہ ہی راستے میں چھوڑ دیا۔ دونوں بھرتوں میں کچھ فرق ہے۔ آقا کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ سے مدینہ جبکہ نواسہ رسول نے مدینہ سے مکہ اور کربلا کی طرف بھرت کی۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھرت فرمائی تو ساتھ صرف سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ تھے اور امامتیں ان کے اہل کے حوالے کرنے کے لیے اپنے بستر پر مولا علی کرم اللہ وجہہ الکریم کو سلا یا۔ مگر جب امام حسین رضی اللہ عنہ نے بھرت کی توجہ، مستورات اور دو دو حصے پیتے بچے تک کو ساتھ لے کر گئے۔

دوسرा مرحلہ۔۔۔ قتال و جہاد

دوسرہ محاذا قتال و جہاد کا ہے۔ اسلام کی سر بلندی و بقا کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی جہاد کیا، اپنے غلاموں کو جہاد کی ترغیب دی۔ اسلام کی پہلی جنگ غزوہ بدر میں مسلمانوں کی تعداد بھی کم تھی اور بے سر و سامانی کا بھی عالم تھا مگر اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کو غلبی مدد عطا فرمائی اور مسلمان فتح یا ب ہوئے۔ اسی طرح غزوہ احمد اور دیگر غزوہات و سرایا اسلام کی بقا اور سر بلندی کے لیے قتال و جہاد کی اہمیت کو واضح کرتا ہے۔

امام عالی مقام بھی اپنے نانا کی سنت اور طریقہ پر جہاد کے لیے نکلے اور اس میں کوئی کمی نہ ہونے دی۔ مگر یہاں بھی کچھ فرق ہے۔ اگرچہ اسباب اور تعداد کی کمی کا سامنا تو مسلمانوں کو تمام غزوہات و سرایا میں ہی کرنا پڑا مگر اسباب و تعداد کی ایسی کمی جس کا سامنا مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نور نظر امام حسین کو کرنا پڑا۔ اس کی نظیر اور مثال تلاش کرنا شاید ممکن نہ ہو سکے۔ تین دنوں کے پیاسوں نے اللہ کی راہ میں جہاد کیا۔ حتیٰ کہ چھ ماہ کے علی اصغر رضی اللہ عنہ تک نے شہادت کا جامنوش فرمایا۔

تیسرا مرحلہ۔۔۔ صلح

اسلام کی ترقی اور عروج کے سفر تیسرا بڑا مرحلہ صلح کا ہے۔ 6: ہجری میں رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم جب ایک بار عمرہ کی غرض سے صحابہ کے ہمراہ مدینہ سے چلے تو کفار نے

کل مقابلے کے لیے سامنے نصرانی تھے
اور آج مقابلے کے لیے سامنے یزیدی ہیں
کل عیسائیوں کی درخواست پر مباہلہ چھوڑ دیا گیا تھا
اور آج حسین ہاتھ اٹھانے ہی کو ہیں مگر مشیت الہی کے سامنے سرجھ کا دیتے
ہیں۔

پانی بند کر دیا گیا اور اس پرستم یہ کہ طعنہ زنی کی گئی۔ ایسے ہی ایک موقع پر امام پاک کی زبان مبارک سے چند کلمات ضرور ادا ہوئے اور وہ فوراً ہی قبول بھی ہو گئے۔ درج ذیل فقط ایک ہی واقعہ اس سلسلے میں بیان کیا جاتا ہے:
یزیدیوں کے لشکر سے عبد اللہ بن الحصین نامی نے بلند آواز میں پکار کر کہ!
اے حسین! ہم تمہیں ایک قطرہ پانی نہ دیں گے چاہے تم پیا سے ہی مر جاؤ۔
امام عالی مقام نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کی:
اے اللہ! اسی کو پیا سار کہ۔

حمدید بن مسلم بیان کرتا ہے کہ امام کی اس دعا کا اثر یہ ہوا کہ اُسے پیاس لگنی شروع ہوئی اور وہ جتنا پانی پیتا تھا ہی اس کی پیاس بڑھتی چلی جاتی یہاں تک کہ اس مردوں کا پیٹ پھول کر مشک کی مانند ہو گیا اور وہ اسی حالت میں واصل جہنم ہوا۔

نہ دو اے گوفیو! طعنہ کہ بارش مانگ لو رب سے
یہ چاہیں تو بھی برسمیں، گھٹا ان کی وراثت ہے
چلو تم حوض کوڑ پر یا جنت کے باغیچوں میں
طلب ہے جس جگہ کی وہ جگہ ان کی وراثت ہے
نہیں تم جانتے حاکم کہ کیا جا گیر ان کی ہے
ستارے ہیں گواہ ارض و سما ان کی وراثت ہے
۲۔ وانا من حسین۔۔۔ ائمہ اطہار اولاد حسین سے

”انا من حسین“ کا اک جمالیاتی معنی یہ بھی ہو سکتا ہے کہ میری امت کی رہبری بھی امام حسن اور حسین دونوں کی اولاد کرتی ہی رہے گی۔ تاریخی اعتبار سے دیکھا جائے تو امامت کا منصب اولاد حسین میں رہا۔ آئمہ اشنا عشری کی تاریخ کا مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہو جائے گا کہ امام حسن عسکری بیٹھے ہیں امام نقی پاک کے، وہ نورِ نظر ہیں امام نقی پاک کے، وہ لختِ جگر ہیں امام علی رضا پاک کے، وہ جگر پارے ہیں امام موسیٰ کاظم کے، وہ صاحبزادے ہیں امام جعفر صادق پاک کے، وہ پسر ہیں سیدنا امام باقر پاک کے، وہ نور پارے ہیں حضرت سیدنا امام زین العابدین کے اور امام سجاد پاک وارث ہیں سیدنا امام حسین پاک رضی اللہ عنہم اجمعین۔

امت کی رہبری و رہنمائی کے لیے امامت کا منصب سیدنا امام حسین پاک رضی اللہ عنہ کی اولاد میں رہا۔ امام مہدی جب تشریف لا سمجھیں گے تو اس معاملہ میں اختلاف ہے کہ سیدنا امام حسن پاک کی اولاد میں سے ہوں گے یا پھر وہ حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ کی اولاد میں سے ہوں گے مگر محتاط بات یہ ہے کہ امام مہدی پاک والد کی طرف سے حسن کی اولاد سے اور والدہ کی طرف سے حسین کی اولاد میں سے ہوں گے۔

روک لیا اور عمرہ نہ کرنے دیا اور نتیجہ کے طور پر حدیبیہ کے مقام پر صلح طے پائی۔ اگرچہ شرائط ظاہراً مسلمانوں کے حق میں نہ تھیں مگر رسول اللہ ﷺ نے پھر بھی صلح کو ترجیح دی۔ گویا جاریت کے طرزِ سیاست سے اجتناب کرتے ہوئے کفار کی تمام شرائط کو تسلیم کیا۔ رسول اکرم ﷺ کی زبردست حکمت عملی کے ثمرات بعد میں ظاہر ہوئے۔

امام پاک بھی اپنی جد رسول پاک ﷺ کی طرح جاریت سے اجتناب کرتے رہے۔ اسی مقصد کی خاطر مدینہ سے بھرت کی اور آخر وقت تک اس کوشش میں رہے کہ جاریت اور خون ریزی سے بچا جا سکے کیا جائے اور صلح سے کام لیا جائے۔ امام بار بار خطبات کے ذریعے سے درمندی سے انہیں سمجھاتے رہے کہ میرے خون سے ہاتھ رنگ کر کے اپنی دنیا و آخرت بر بادنہ کرو۔ اسی غرض سے کربلا میں لشکر یزیدی کے سپہ سالار عمر و ابن سعد سے مذکرات کا مرحلہ بھی ہوا۔ امام عالی مقام نے مختلف تجاویز بھی دیں جن کے ذریعے سے خون ریزی روکی جا سکتی تھی۔ مگر یزیدی فوج کسی بھی بات کو سنبھل کر لے آمادہ نہیں تھی۔ یہاں سے بات اصول کی شروع ہو جاتی تھی۔ مذکرات ہو سکتے ہیں، بات چیت کے ذریعے قتل و غارت کو روکنے کی کوشش کی جا سکتی ہے مگر یزیدی کی بیعت کر کے اسلام کی بنیادوں کو منہدم نہیں کیا جا سکتا۔ رسول اللہ ﷺ کے دین کو یزید کے رحم و کرم پر نہیں چھوڑا جا سکتا۔ ضمیر کا سودا نہیں کیا جا سکتا۔

جب بھی کبھی ضمیر کا سودا ہو دوستو ڈٹے رہو حسین کے انکار کی طرح امام حسین کی حریت اور سیرت سے سبق حاصل کرتے ہوئے ہر دور کے یزید کے خلاف آواز حق بلند کرنی چاہیے اور جب امام حسین علیہ السلام سے بیعت طلب کی گئی تب بھی امام نے یہی فرمایا تھا کہ مجھے جیسا کبھی یزید جیسے کی بیعت نہیں کر سکتا تو اس کا مطلب حسین کی فکر سے روشنی لینے والا کسی بھی دور کا انسان کسی بھی یزید کی بیعت نہیں کرے گا۔

چوتھا مرحلہ۔۔۔ مباہلہ حیاتِ رسول پاک ﷺ میں اسلام کی حقانیت و صداقت، اسکی بقا و عروج کے لیے ایک اور انتہائی مرحلہ مباہلہ کا تھا۔ اہل نجران اسلام کی نظریاتی اساس پر حملہ آور ہوئے۔ مسلسل بحث و مباحثہ کے بعد بھی جب معاملہ حل نہ ہوا تو اللہ کے حکم پر آقا کریم ﷺ اپنے حسن و حسین و سیدہ و مولا علی کو ساتھ لے کر مباہلہ کے لیے میدانِ عمل میں تشریف لائے۔ آج ڈشمنوں کی طرف سے حملہ کی نوعیت مختلف تھی۔ اور دفاع کے لیے تیر و تکوڑیزہ و بھالوں کی ضرورت نہ تھی۔ اس لیے وفاداروں اور غلاموں کو دعوت بھی نہ دی۔ آج اپنوں کی ضرورت تھی آج نخاپاہی۔۔۔ حسن کی انگلی خود رسول اللہ ﷺ نے تھامی ہوئی تھی

ایک اور نخاپاہی۔۔۔ حسین گو در رسول میں ہے نصرانی مباہلہ سے بھاگ گئے کہ خاندان رسالت کو پہچان گئے اور ڈر گئے کربلا میں بھی ایک ایسا موقع حسین پر بھی آیا کل خود رسول اللہ ﷺ کی گود میں تھے اور آج گود میں نخا علی اصغر ہے



”کس لیے مر جھا گئے شاداب پیشانی کے پھول،“

سید طاپر رضا بخاری کے نام

شع لاتے ہیں تیری بزم میں ، مطلب یہ ہے
یاد آئے تجھے بھولے ہوئے پروانوں کی

اللہ آپ کو خوش رکھے اور وہ دکھ اور صدمے جو آپ نے والدہ ماجدہ کی شفقت سے محروم ہونے کے دل سوزنحات میں دیکھے یقیناً وہ پچھا دینے والے ہیں۔ میں شرمندہ ہوں کہ آپ کو میری وجہ سے علماء حرمہم اللہ کی مہیب علمی انگڑائیوں نے ننگ کیا لیکن آپ کا کالم ”محراب“ پڑھا اور حوصلوں کی آماج گاہ پایا۔ آپ کے آبا و اجداد اور ہمارے نیک اسلاف نے ہمیشہ صبر سے تاریخی طوفانوں کا مقابلہ کیا۔ آپ عظیم تر ہیں اس لیے کہ تیکھے انداز میں گھورنے والوں کی بھی عزت افزائی کا عزم رکھتے ہیں۔ ان شاء اللہ وہ وقت قریب ہے جب اقدار عالیہ کو جلا کر راکھ کر دینے والے خود سیال قبروں سے روحوں کی مظلومانہ چینیں سن لیں گے۔ آپ کا اور ہمارا قصور فقط اتنا ہے ہم نے مذہبی نازنینیوں کی لاشیں ایک عرصہ سے کندھوں پر اٹھا رکھی ہیں اور تاریخ نے ہمارا اولاً در رسول ہونا کچھ زیادہ ہی سخاوت سے روایت کر دیا و گرفتہ یہی لوگ ”قدم بڑھا و شاہ جی ہم تمہارے ساتھ ہیں“ کے نعرے اور ترانے گنگنا چکے ہیں اور تاریخ پر حضرت نگاہوں سے ان کا تمثاشاد کیا رہی ہے۔

ان قابل احترام بزرگوں کو شاید احساس نہیں کہ یہود و ہندو دی کی قہر مانیاں کس طرح ہم سب کو مٹا دینے کے لیے پرتوں رہی ہیں۔

طاهر رضا محترم! آپ کے والدِ گرامی کے نورانی چہرہ کی یاد اور شرم مجھے نماز جنازہ میں کھینچ لائی۔ میں آخری صفات میں فریضہ ادا کرنا چاہتا تھا لیکن آپ اور آپ کے خاندان کی محبتیں مجھے امامت کے مصلی پر آپ کی اجازت سے کھڑا کرنے کا سبب ہیں۔ میں بی بی مرحومہ کی روح سے معافی مانگتا ہوں لیکن یقین دلاتا ہوں میں بے نیت کھڑا نہیں ہوا تھا۔ میری نیت میں فریضہ کی ادائیگی کا جذبہ بھی تھا اور مندوں جلال الدین سرخ پوش رحمۃ اللہ علیہ کی نسبتوں کا احترام بھی تھا۔

مجھے کیا پتہ تھا کہ شعائیں اپنے ہی عکس آتشیں پر خواہ مخواہ افسرده ہو رہی ہیں۔ سید صاحب غم! ہمیشہ غم نہیں رہتے۔ یہ بھی ایک وقت تھا گزر گیا تاریخ رقبت بھی گزر جائے گی۔ یہ بات تو خوشی کی ہے کہ شفق کے چہرہ گلفام سے نگیں نقاب اترے تو ہیں۔ ہمیں اور آپ کو اپنی ناؤ استقامت کے ساتھ موجودوں کے دھاروں پر لے جانی ہے۔ اللہ سفینہ نوح کی طرح سفینہ اہل بیت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کو سوار ہونے کی توفیق عطا فرمائے اور وہ بے نیاز اور کریم آپ کے والد اور والدہ کی مغفرت فرمائے۔

جنازے کی کیفیت تو یہی:

افق کی خوش نما

گھر ایسوں میں آفتاب اترا

اور

جلوہ رحمت قصر نور میں

بآب و تاب اترا

میں اپنے محبت کرنے والوں سے عرض کروں گا کہ فوٹگیوں پر جانے والوں کے نام گل پاشی ہی اچھی لگتی ہے۔ رسم سنگ زنی نہ کسی کے لیے اچھی ہے نہ ہمارے لیے اچھی ہے۔

مہربانی کریں اپنا وقت اللہ کے ذکر میں بسر کریں اور وہ بزرگ جو صبح شام گلستان حدیث سے گل چینی کرتے ہیں ان کا معاملہ اللہ کی طرف مفوض کر دیں۔

سید ریاض حسین شاہ

حکمتِ قرآن

تیسرا قسط

مفسر قرآن مفکر اسلام پیر سید ریاض حسین شاہ جی اے آروائے کیوٹی وی کے زیر اہتمام اتوار کی شب 7 بجے "حکمت قرآن" کے عنوان سے نشر ہونے والے ایک پروگرام میں قرآنی حکمتوں اور اسرار و رموز کے پیش بھا موتی اپنے ناظرین و سماعین کو عطا کرتے ہیں۔ اس پروگرام میں میزبانی کے فرائض ملک کے معروف نقیب قاری محمد یونس قادری سرانجام دیتے ہیں۔ پیر سید ریاض حسین شاہ جی کے ان علمی و روحانی خزانے کو ماہنامہ "دلیل راہ" کے سماعین کے لیے قرطاس پر منتقل کرنے اور آپ تک پہنچانے کا اہتمام کیا گیا ہے۔ آئیے!! شاہ جی کی ان نور نور اور حکمت افروز قرآنی تبرکات سے مستفید ہوتے ہیں۔

لھبھتی ہے تو ربوبیت اور اللہ تعالیٰ کی رحمت کا جس وقت امتحان ہوتا ہے تو تربیت کا ایک رنگ بتا ہے۔ ربوبیت کا مطلب ہوتا ہے کسی چیز کو کمال تک پہنچانا۔ قرآن مجید انسانوں کو بتاتا ہے کہ جس طرح "رحمت" بندے کو کمال تک پہنچاتی ہے، کوئی اور چیز نہیں پہنچا سکتی۔ رحمت کا لفظ "رحم" سے ہے۔ شکم مادر کا وہ حصہ جس میں ایک بچہ نشوونما سے پہلے تخلیق کے مراحل سے گزرتا ہے اس کو رحم کہتے ہیں۔ ایک ماں کے اندر جو رحمت ہوتی ہے تربیت کے لیے اس رحمت کی ضرورت ہوتی ہے۔ بخاری و مسلم کی روایت کردہ ایک حدیث کا حوالہ ملاحظہ کیجئے کہ:

ایک جنگ کے موقع پر رسالت مآب ﷺ کے دیکھ رہے تھے کہ ایک عورت پر یاثان حال ہے اور وہ تڑپتے سے انداز میں لشکر میں کسی کو تلاش کر رہی ہے۔ وہ جہاں بھی کوئی بچہ دیکھتی تو اس کی یہی خواہش ہوتی کہ میں اس کو دودھ پلاوں اور ساتھ ہی وہ تڑپ کر کہتی کہ میرا بچہ کہاں ہے؟ وہ گم ہو گیا ہے۔ وہ دودھ پیتا تھا۔ اب میں اسے کیسے دودھ پلاوں؟ تو رسالت مآب ﷺ نے اس کی یہ حالت دیکھ کر فرمایا: کیا یہ ماں اپنے بچے کو آگ میں پھینک سکتی ہے؟ صحابے نے عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ نہیں۔ حضور ﷺ فرمانے لگے: "رحم سورة الفاتحة میں کہتا ہے "حمد رب کی جو سارے جہانوں کا پروردگار ہے اور وہ رحم بھی ہے اور حیم بھی ہے۔ وہ کیسے اپنے بندے کو جس کا رخ اس کی جانب ہو، اسے دوزخ میں ڈال سکتا ہے"۔

والی زندگی کی تفصیلات بیان کی گئی ہیں۔

یہ چاروں چیزیں اختصار کے ساتھ سورۃ الفاتحة میں بیان کی گئی ہیں۔ قرآن مجید کا مخلاص طالب علم اگر ان چار چیزوں کو ذہن میں رکھ کر اپنی آخرت سازی کے لیے غور و فکر کرنا شروع کرے تو اس کو اوامر، کہیں جھنجھوڑتے ہیں، کہیں ڈانتھتے ہیں اور کہیں پیار کرتے ہیں۔ گویا قرآن حکیم میں ترغیب و ترہیب کا ایسا رنگ ہے جو محض اسی کا خاصہ ہے۔ یہ دلچسپ اور خوبصورت ریاضت باقی تمام کتابوں سے انسان کو بے نیاز کر دیتی ہے اور انسان قرآن میں کھب جاتا ہے۔

سورۃ الفاتحة پورے قرآن کی تخلیص ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ایک مسلمان جو نفل، فرض، سنت نماز پڑھنے والا ہے وہ تقریباً 34 مرتبہ کم و بیش، سورۃ الفاتحة پڑھتا ہے یا سنتا ہے۔ یہ عشق کا رنگ ہے کہ کبھی وہ محبت رکھنے والوں کی طرح اونچا پڑھتا ہے، کبھی وہ نہایا خاتمة دل میں اپنی توجہ کو حاضر کر کے پڑھتا ہے۔ یوں وہ دھیرے دھیرے اور بہاراں بہاراں اللہ تعالیٰ کی کتاب سے استفادہ کرتا رہتا ہے۔

سوال 2

رحم، رحیم سورۃ الفاتحة میں دوبار آیا ہے۔ بسم اللہ میں بھی اور آگے بھی۔ دونوں کا معنی مہربان ہوتا ہے۔ تکرار کی کوئی حکمت ہے؟

جواب

سورۃ الفاتحة میں روحانی حرکات ہیں۔ انسان کی روح جس وقت کشش محسوس کر کے سورۃ الفاتحة میں

شعاع و شعلہ

سوال 1

سورہ فاتحة کی روشنی میں آپ مقاصد زندگی کو کس طرح معین کریں گے؟ کوئی ایسا لائچہ عمل بتائیں کہ قاریٰ قرآن اسے آسانی سے یاد کر لے۔

جواب

قرآن حکیم ہمیں جو ہدایات، افکار اور عمل کا میزانیہ دیتا ہے وہ چار چیزوں کو قوت دیتا ہے۔ یہی چار چیزیں الحمد سے والناس تک بیان ہوئی ہیں۔ خواہ وہ احکام ہوں یا اعمال، فضائل ہوں یا اسالیب ہوں۔ ان میں تمثیلات ہیں اور مجاز ہیں۔ یہ چار چیزیں مندرجہ ذیل ہیں:

- 1) اللہ تعالیٰ کی شان توحید اور اس کی ربوبیت
- 2) رسالت مآب ﷺ کی نبوت و رسالت، آپ ﷺ کی قیادت و سیادت، انبیاء سائنسین کا کردار۔

وہ روشنیاں جو رسالت مآب ﷺ کی جیجن نور سے پھوٹیں ان میں اعتقادات بھی ہیں پیغامات بھی ہیں اور سیرت کا نور بھی ہے۔

- 3) بحیثیت دین اسلام، اس کی تفصیل اور بدایت کیا ہے؟ قرآن مجید کی 114 سورتوں میں اس موضوع کے خاکے میں رنگ بھرا گیا ہے۔

- 4) قیامت پر یقین۔ قرآن مجید کی بے شمار آیات ہیں جن میں اس زندگی کے بعد آنے

علامہ فخر الدین رازی نے لکھا کہ ایک پرندے کے دماغ میں کون ڈالتا ہے کہ تم نے گھونسلا اس طرح وضع کرنا ہے۔ اس کو ایک طاقت ہے جو بتاتی ہے کہ تم نے ہواوں کے رخ کی طرف اپنے گھونسلے کو نہیں موزنا۔ تم نے گھونسلا اس طرح نہیں بنانا ہے کہ تیلے نکلنے کی وجہ سے تمہارے انڈے ٹوٹ جائیں یا تمہارے پچوں کو اس سے کوئی نقصان پہنچے۔ یہی وجہ ہے کہ کوئی پرندہ اپنے گھونسلے میں بیٹ نہیں کرتا۔ ایک طاقت ہے جو پرندوں کو ان مراحل سے گزارتی ہے۔

یہی کے منہ میں پانی کے قطرے کو اللہ ہی موتی بناتا ہے۔ اور توتوت کے پتے کھانے والے کیڑے کو ریشم کی تاریں بنانے کا سلیقہ بھی وہی دیتا ہے۔ اور ہر کی ناف میں خوشبو تخلیق کرنے والا بھی وہی ہے۔ عربی زبان کا ایک محاورہ ہے کہ جب وہ اللہ تعالیٰ کا رازق ہونا بیان کرتے ہیں تو کہتے ہیں:

”یاراً زَقَ الْغَرَابَ“

”اے کوئے کورزق دینے والے“

کوئا اپنے جوڑے کے ملاپ سے جس وقت انڈے سے پچ نکالتا ہے تو وہ سرخ لوتھرا کی صورت میں نظر آتا ہے تو مادہ اسے دیکھ کر آگ خیال کرتی ہے اور اس کے قریب نہیں جاتی۔ پھر وہ رحمان ہی اس کے بیچ کو خوارک دیتا ہے جس پر وہ منہ کھول لیتا ہے اور وہ پرورش پاتا رہتا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ نے اپنی شانِ ربوبیت اور شانِ رحمت دونوں کو اساس بنا کر انسان کو یہ درس دیا کہ تم اپنے معاملے میں پریشانیوں کا شکار نہ ہو۔ وہ رب جس کو تم ایمان اور ایقان سے مانتے ہو۔ وہ اگر کیڑوں مکوڑوں کو رزق دے کے کمال تک پہنچاتا ہے تو وہ انسان کو بھی نوازنے والا ہے۔

وہ انسان جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دہلیز پر آ جاتا ہے اس کو وساں کا شکار ہونے کی ضرورت نہیں۔ دراصل اس کو تو اللہ تعالیٰ کی حمد بیان کرنی چاہیے اور اللہ تعالیٰ کے شکر کی روشن اختیار کرنی چاہیے۔

سوال 3

اسلام کا ایک نظام ہدایت ہے۔ آپ اختصار کے ساتھ اس پر روشنی ڈالیں۔

جواب

اللہ تعالیٰ نے سورۃ الفاتحہ کے اندر ایک انسان کو کامل ہدایت Guidance دی ہے۔ میرے

فرمایا:

”فَاتَحْ جَادِرَ رَحْمَتَهُ“۔

حضرت ﷺ نے فرمایا:

”أَفْضَلُ ذِكْرِ اللَّهِ إِلَّا اللَّهُ“ ہے لیکن افضل دعا سورۃ الفاتحہ ہے۔

یہ تمثیلات اس لیے بتائی گئیں کہ فطرت انسانی میں ”دعا“ موجز نہ ہوتی ہے۔ ہدایت سب سے پہلے تقاضا کرتی ہے کہ انسان اپنے اندر آمادگی پیدا کرے۔ اس کے اندر Power Intentional (قوتِ ارادی) ہو۔ اگر آپ فطرت کے سامنے کشکلول رکھتے ہی نہیں تو یاد رکھیے کہ بارش تو برستی ہی ہے لیکن اس کے پانی سے، طلب والا انسان ہی استفادہ اٹھا سکتا ہے۔ اس لیے پہلے آپ قوتِ ارادی کو بیدار کریں کہ میں نے اللہ تعالیٰ کے قرب کی منزل حاصل کرنی ہے۔ یہ قوتِ ارادی جس وقت بیدار ہو گی تو کہتے ہیں: ”جوئندہ یا بندہ“ کہ جوڑ ہونہ تا ہے وہ پالیتا ہے۔

قرآن بھی ایک جگہ کہتا ہے:

وَأَنَّ لَيْسَ لِلإِنْسَانِ إِلَّا مَا سَعَى

(الجم: 39)

”اور انسان کے لیے وہی ہو گا جس کی اس نے کوشش کی۔“

علماء، مشائخِ عظام اور صالحین یہ راستے کے نشانات ہیں۔ جس وقت آپ ان کی صحبت میں جائیں گے تو ان کی صحبت سے ہدایتِ خود آپ کا استقبال کرنے لگ جائے گی۔

”دعا“ اپنی بھی ہوتا سے بے قدر و قیمت نہیں سمجھتا چاہیے، اللہ والوں کی دعا کو بھی قدر کی نگاہ سے دیکھتا چاہیے اور والدین کی دعا کو بھی قدر کی نگاہ سے دیکھنا چاہیے۔ ماحول سازی کے لیے دعا کو معتر جانیے۔ اللہ والوں کی صحبت کو غنیمت کو سمجھیے۔ ایک حدیث قدیم میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ”بعض ایسے بال بکھرے لوگ ہیں اور بعض ایسے خاک آلو د چہرہ رکھنے والے لوگ ہیں کہ اگر وہ قسم کر کے اللہ پر بھی کوئی بات کر دیں تو اللہ، ان کی قسم کو رائیگاں نہیں فرماتا۔“

حاصل اس ساری گفتگو کا یہ ہے کہ دعا عبادت کا مغز ہے۔ دعا کسی سے لینی چاہیے اور یہ ایک بہت برا ذخیرہ ہے۔

بقیہ صفحہ 38 پر

زدیک، دنیا میں ہدایت اتنی اہم چیز ہے کہ کوئی چیز اس کی ثانی نہیں ہو سکتی۔

ہدایت کی ایک مصدریت ہے کہ ہدایت کون دیتا ہے؟ سورۃ الفاتحہ اعلان کرتی ہے کہ ربوبیت اور رہبری کے خزانے جس اللہ کے ہاتھ میں بیس رہنمائی بھی اسی کی عطا ہے۔ رب کریم اس کائنات میں موجود تو ہے لیکن وہ اپنے مظاہر کائنات سے پچانا جاتا ہے۔ رنگوں کی دنیا، روشنیوں کی دنیا، خوشبوؤں کی دنیا، جمالیات کی دنیا، پرواز کی دنیا۔ یہ سب چیزیں بندہ محسوس کرتا ہے لیکن اس کی Guidance کے لیے جب رہبر ہونا ضروری ٹھہرا تو رب کریم نے جیسے ربوبیت کے مظاہر رکھے اسی طرح ہدایت کا مظہر بھی رکھا۔ تو ہدایت کا مرتع اور مصدر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے سورۃ الفاتحہ کے اندر ہدایت کے مختلف مرحلے ”احدنا“ میں سمو دیے۔ فطرت کی جوانگاہ میں ہم اللہ تعالیٰ کی ہر عطا کو طوعاً و کرھا تسلیم کرتے ہیں لیکن جس وقت اس کے اوپر باری آتی ہے کر عقل کا بھی کوئی راہنمہ ہونا چاہیے، اس کا بھی کوئی استاد ہونا چاہیے، اس کے لیے اللہ نے نبوت اور رسالت کا نظام قائم فرمایا۔

”احدنا“ کی دعائیں جو جستجو، طلب اور کمک ہے اس کا جواب اللہ رب العالمین نے یوں دیا کہ ”تو معبود سے مانگتا ہے اور معبود تیرادینے والا ہے اس لیے کہ وہ شانِ ربوبیت اور شانِ رحمت رکھتا ہے۔“ یہ آیت ”وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِلْعَالَمِينَ“ ان سارے فطری اور نفیاتی سوالات کا جواب ہے جو انسان کے فہم میں رحمت، طلب اور ہدایت کی جستجو پیدا کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سارے عالم کو نوازنے والے آقا ہیں۔

سوال 4

دنیا میں ہدایت کے عام کرنے کے لیے کیا کرنا چاہیے؟

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

”جو شخص، کسی نعمت کے احسان کے بعد الحمد پڑھتا ہے تو اللہ کا میزان اس کی حمد سے بھر جاتا ہے۔“

ضحاک کہتے ہیں، رسالت مامب صلی اللہ علیہ وسلم نے

حضرت خواجہ محمد جمشید عرف لالہ جی رحمۃ اللہ علیہ

قطع اول

ڈاکٹر محمد اظہر نعیم

سرگردان رہے۔ وادی کشمیر کے قصبوں اور شہروں میں گھومتے پھرتے رہے۔ سری نگر سے لیکر گوردا سپورٹ کا سفر کیا۔ جہاں بھنک پڑی اسی آستانے پر جا پہنچے۔ فرماتے ہیں کہ ”ایے اللہ والے بھی دیکھے جو مریض کے جسم سے ہاتھ مس کرتے تو یہاری کافور ہو جاتی۔ ایسے بھی بزرگ دیکھے جنہوں نے مہینوں کھانا نہیں کھایا۔ مگر حضرت خواجہ نور محمد عرف نانگا بابا رحمۃ اللہ علیہ کی بیعت صرف رسول کریم ﷺ کی قابل رشک اطاعت کی بنا پر کی۔“ گویا لالہ جی رحمۃ اللہ علیہ کی تلاش ایسے شخ کی تھی جس کا ظاہر و باطن نبی کریم ﷺ کی سنت کے مطابق ہو چنانچہ انہوں نے اپنا گوہر مقصود پالیا۔ لالہ جی رحمۃ اللہ علیہ کے مرشد پاک کا اسم گرامی خواجہ نور محمد رحمۃ اللہ علیہ تھا اور نانگا بابا کے عرف سے موسوم تھے۔ حضرت خواجہ نور محمد رحمۃ اللہ علیہ کے پیروں میں مرشد خواجہ شمس الدین سید پوری رحمۃ اللہ علیہ تھے۔ خواجہ لالہ جی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ”پیر و مرشد حضرت خواجہ نور محمد رحمۃ اللہ علیہ کے عشق کا عالم یہ تھا کہ جن را ہوں سے گزرتے تھے ایسا محسوس ہوتا کہ پہاڑ اور جنگل کے درخت بھی آپ رحمۃ اللہ علیہ کی ہمنوائی میں نالہ و رقصان بلند کر رہے ہیں۔“

حضرت لالہ جی رحمۃ اللہ علیہ اپنے مرشد کریم کے محبوب ترین مرید اور خلیفہ مجاز تھے۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ اپنے شخ کا ادب و آداب اس قدر کرتے تھے کہ اپنے مرشد کا نام بے وضو لینا بھی گوارہ نہ کرتے جب اپنے مرشد کے نعلین اٹھانے کا موقع میر آتا تو ان کو اپنے سینے کے برابر یاسر پر رکھتے اور اپنے جوتے بائیں ہاتھ میں پکڑتے اور انہیں اپنے شخ کے جوتوں سے کافی نیچے رکھتے۔ لالہ جی رحمۃ اللہ علیہ کا اپنے مرشد سے محبت اور محبوب کا تعلق تھا۔ پیر و مرید میں محبت کا بندھن تاحیات قائم رہا۔ ایک مرتبہ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے بتایا

لالہ جی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی ساری زندگی عمرت اور تنگ دستی میں گزاری۔ اوائل عمر میں بکریاں بھی پالیں اور کئی کئی روز بکری کے دودھ پر گزارہ کیا۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ لباس اور پہناؤں کی سنتیں تو سب ادا کر لیتے ہیں لیکن سنگاخ را ہوں میں رسول اللہ ﷺ کی سنت کے مطابق چلنے کی سعادت کسی کسی کو حاصل ہوتی ہے۔ ان نامساعد حالات میں کبھی بھی زبان پر شکوہ کے الفاظ نہیں آئے۔ ہمیشہ اللہ کا شکر ہی ادا کرتے رہے۔ اٹھتے بیٹھتے ”شکر ہے تیرا“ اور ”میری توبہ یارب“ جیسے الفاظ ادا کرتے رہتے۔ تنگ دستی اور بھوک کا یہ عالم کہ کئی کئی دن ایک لقہ بھی حق میں نہ جاتا۔ ایک دفعہ ایسا ہوا کہ بھوک سے نہ حال ہو کر گر پڑے اور جب ہوش میں آئے تو وہاں فصل میں کھڑا پانی پیا اور خدا کا شکر ادا کیا کہ اس نے پانی تو دیا۔ قبلہ لالہ جی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ ایک مرتبہ انہوں نے دعا کی کہ ”اے میرے رب! مجھے اپنے عشق سے نواز دے۔“ تو ہاتھ غبی سے صدا آئی کہ مصائب اور تکالیف کے لیے تیار ہو جاؤ اس لیے کہ جو عشق کی راحت حاصل کرنا چاہتا ہے اسے مصائب و الم کے کانٹوں پر چلانا پڑتا ہے۔“ آپ رحمۃ اللہ علیہ اپنے روز گار سے ہی اپنے اہل خانہ کے اخراجات پورے کرنے کی سعی کرتے۔ بڑھاپے کی حالت میں بعض اوقات کوئی شخص آپ رحمۃ اللہ علیہ کی مالی معاونت کرنا چاہتا تو آپ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ”میں اور تم دونوں ایک جیسے ہیں کس حق کی بنا پر تم سے مال قبول کروں،“ فرماتے وہ نذرانہ جو غیرت ختم کر دے اس سے بھوکا مر جانا بہتر ہے۔ اگر کوئی زبردستی کرتا تو آپ رحمۃ اللہ علیہ پیکر نیاز بن جاتے اور دعا ضرور فرماتے۔

مرشد کے قدموں میں

آپ رحمۃ اللہ علیہ مرشد کی تلاش میں کافی عرصہ

خبرپختونخواہ کے ضلع مانسہرہ کی تحریکیں اور گی ایک چھوٹا سا خوبصورت قصبہ ہے۔ یہ وادی سرسبز و شاداب پہاڑوں سے گھری ہوئی ہے۔ کسی دور میں یہ وادی اگرور کا صدر مقام رہا ہے اور یہاں ایک قلعہ بھی تعمیر کیا گیا تھا۔ یہی وہ وادی ہے جہاں سے حسن و تقویٰ کی تصویر حضرت خواجہ محمد جمشید عرف لالہ جی رحمۃ اللہ علیہ نے علم و معرفت کا نور بانٹنے کا آغاز کیا۔ لالہ جی رحمۃ اللہ علیہ کے والد گرامی کا اسم مہربان شاہ تھا اور آپ رحمۃ اللہ علیہ کا اصل علاقہ کوٹلی پتن تھا۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ اوگی کے ایک چھوٹے سے دیہات عزیز آباد جہاں صرف پانچ چھوٹے سے قیام پذیر تھے اور وہیں آپ رحمۃ اللہ علیہ آسودہ خاک ہوئے۔ آپ جب پہلی مرتبہ اہل سادات کوٹلی کی دعوت پر وہاں تشریف لے گئے۔ تو صاحب سانبل نور نے اس وقت کا ان کا نقشہ یوں کھینچا ہے۔ ”دبلہ پتلا وجود، گندمی رنگ، چمکتی نگاہیں، مقناطیسی نظریں، معتدل سر، اوپنی بینی، عریض پیشانی، باریک ابرو، ہموار رخسار، شاداب دہن، داڑھی سفید زیادہ سیاہ کم، میانہ قد، خوبصورت اندام، کشاور سینہ، پٹھانی عمامة، سرحدی جامد، کملی اوڑھے حضرت روحوں میں کھب رہے تھے۔“ اللہ اکبر ان کی شخصیت تھی ہی ایسی کہ دیکھنے والا ان کی شخصیت کے سحر میں مبتلا ہوئے بغیر نہ رہتا۔

آپ رحمۃ اللہ علیہ نے تجارت کو اپناروز گار بنا کیا، اور گی بازار میں چھوٹی دکان حقیقتاً دکان کاروبار سے زیادہ علم و معرفت کا مرکز تھی۔ یہاں لوگ آتے ان ٹوٹے ہوئے ڈبوں پر بیٹھتے اور عرفان کی منازل طے کرتے۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ مریدین کو سنگی کہا کرتے اور اگر کوئی سنگی آپ رحمۃ اللہ علیہ کے اس آستانے پر بیٹھا ہوتا اور کوئی گاہک آجاتا تو آپ رحمۃ اللہ علیہ بڑے پیار سے کہتے ”دوسٹ! میرے مہمان بیٹھے ہیں۔ آپ یہ چیز کسی دوسری دکان سے لے لیں،“ اور گاہک ناراض ہوئے بغیر وہاں سے چل دیتا۔

کی صحبت کی کشش سالک کے دل سے خلوت کے خیال اور چلہ کشی کے فکر کو ختم کر دیتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قبلہ لالہ جی رحمۃ اللہ علیہ اپنے ارادت مندوں کو ہمیشہ ذکر، ذکر کی ہی تلقین کرتے تھے اور خود بھی ہمہ وقت اللہ کی یاد میں مستغرق رہتے تھے۔ ان کا فرمانا تھا کہ میرے مرشد نے مجھے ایک ہی وظیفہ دیا ہے اور وہ ہے اللہ کا نام اور فرماتے تھے میں اسی ایک ہی اللہ کے نام سے دنیا سے اٹھنا چاہتا ہوں کیونکہ فکر نور ہے، غفلت اندر ہر اے۔ ایک مرتبہ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ لوگ کس قدر بے وقوف ہیں کہ اللہ کے نام سے دور ہیں اور دنیا ہی دنیا کو اور ہننا بچھونا بنا رکھا ہے۔ کسی درویش کا قول بھی آپ رحمۃ اللہ علیہ نے سنایا کہ اگر بادشاہوں کو پتہ چل جائے کہ نام خدا میں کیا لذتیں اور برکتیں ہیں تو وہ تاج شاہی پھینک کر درویشوں کے قافلے میں شامل ہو جائیں۔ لالہ جی کا یہ فرمان بھی سنہری حروف سے لکھنے کے والا ہے کہ مومن مرد ہو یا مومنہ عورت ان کا زیور ذکر الہی اور اطاعت رسول ﷺ کی میں اپنی آخرت کے لیے یہ گہنا ضرور تیار کرنا چاہیے۔ ایک موقع پر آپ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا پیش میں لقمه حلال ہو بدن پر کپڑا پاک ہو، شریعت رسول ﷺ کا دامن مضبوطی سے تھاما ہو اور ذکر، ذکر، ذکر زندگی بن جائے تو صاحبو! اس راہ میں اللہ تعالیٰ وہ فیوض و برکات، انوار و اسرار عطا فرماتا ہے کہ دریا سیاہی بن جائیں تو لکھنے سے عاجز آ جائیں لیکن پچی بات کہ طلب ان باتوں سے بہت دور ہوتی ہے۔

عمومی طور پر محاذ ذکر میں شمولیت کا زور دیا کرتے تھے ویسے فرماتے کہ اپنے سنگیوں سے میل ملاقات غیر سنگیوں سے بہتر ہے اور اپنے سنگیوں کے ساتھ ذکر میں شامل ہوا کریں۔ ایک دفعہ اپنے عزیز ترین خلیفہ حضرت سید ریاض حسین شاہ صاحب کو وصیت کرتے ہوئے فرمایا تھا ”ذکر کی محفل ترک نہ کرنا“ یہ عروج کا زینہ ہے، شیطانی حملوں سے بچنے کی ڈھال ہے اور آخرت کا بہترین سرمایہ ہے۔

تصوف اور واردات قلبی

قبلہ لالہ جی رحمۃ اللہ علیہ تصوف کو روایتی اور ظاہر پن سے دور دیکھتے تھے۔ ان کے نزدیک ”محبت جب دل میں ہو اور دل عمل میں ہو تو یہ تصوف ہوتا ہے اور جب ساری محبت دل سے نکل کر زبان پر آ جائے

مزید وضاحت کرتے ہوئے آپ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اپنے شیخ کی اتباع، احترام اور ادب کرنا روحانی خدمت ہے اور کم از کم کسی امر سے شیخ کو اذیت اور تکلیف نہ پہنچے۔ خود فرماتے ہیں کہ دوسری اور غربت کی وجہ سے میں اپنے شیخ کی بدنسی اور مالی خدمت زیادہ نہ کر سکا لیکن اللہ کا شکر ہے کہ حضرت خواجہ نور محمد رحمۃ اللہ علیہ مجھ سے روحانی طور پر خوش تھے۔

خواجہ لالہ جی رحمۃ اللہ علیہ کا فرمان ہے کہ خدمت نور ہے خدمت وسیلہ ہے خدمت عظمت ہے، خدمت معرفت کی روح ہے۔ دو شخص دنیا و آخرت میں کبھی رسول نہیں ہوں گے ایک سخنی اور دوسرا خدمت گزار۔ ایک دفعہ راقم در دولت پر حاضر تھا تو آپ رحمۃ اللہ علیہ نے قبلہ شاہ صاحب کے حوالے سے بہت سی گفتگو فرمائی۔ خدمت کے حوالے سے فرمایا: ”ریاض شاہ نے میری خدمت اس قدر کی ہے کہ میں کہہ سکتا ہوں کہ عملی طور پر میرے پیر دھوکرنہیں پیے یعنی خدمت کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔“ ایک موقع پر لالہ جی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا تھا کہ ”رب کائنات نے مجھے علم دیا تھا کہ ایک دعا جسے دوں گاؤہ بن جائے گا اور اس خدمت کے صلہ میں سید ریاض حسین شاہ نے میری دعا جیت لی۔“

وظیفہ ذکر و فکر

قبلہ لالہ جی رحمۃ اللہ علیہ نے خواجہ نور محمد رحمۃ اللہ علیہ کی بیعت کی جو کہ سلسلہ نقشبندیہ مجددیہ کے بڑے صوفی بزرگ تھے۔ لالہ جی رحمۃ اللہ علیہ وقت کے مجدد تھے ان کی صحبت میں لوگ لمحوں میں نسبت کی بلندیوں پر فائز ہو جاتے۔ صاحب کشف و کرامات تھے۔ سلسلہ نقشبندیہ کے بارے میں لالہ جی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ یہ لوگ بے کار رہنے کو حرام سمجھتے ہیں۔ رزق حلال کما کر یادِ الہی میں کھوجانا ان کی اصل ریاضت ہے۔ ان کا وظیفہ ”تھھ کا رول دل یاروں“ (ہاتھ کام کی طرف اور دل دوست کی یاد میں مستغرق) سلسلہ نقشبندیہ میں ابتدأ ذکر قلبی ہے جسے فکر بھی کہا جاتا ہے ذکر قلبی وہ عطا ہے کہ جس سے اللہ کریم خود اپنے بندے کو اپنی طرف کھینچ لیتا ہے۔ مولانا جامی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرات نقشبند عجیب قافلہ سالار ہیں کہ اپنے متعلقین کو پوشیدہ طریقے سے بارگاہِ الہی تک لے جاتے ہیں ان

کہ ”میرے مرشد نا نگا بابا جی نے مجھے اپنا عمامہ شریف (خرقہ) عطا کیا یہ میری نوجوانی کا عالم تھا میں نے عرض کیا پیر ما! اللہ تعالیٰ کو کوئی بات پسند آ جائے تو اس کا اجر دگنا کرتا ہے مجھے ایک عمامہ نہیں دس عمامے چاہیں۔ حضرت خواجہ نور محمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ایک دنیا میں لے لو اور باقی انشاء اللہ آخرت میں دوں گا۔“ واضح رہے کہ خرقہ خلافت تصوف کی ایک اصطلاح ہے۔ جس میں کسی مرید کو اپنی خلافت یا جائشی عطا کی جاتی ہے۔ اسے خرقہ درویشی بھی کہا جاتا ہے۔ ویسے خرقہ کی تین اقسام ہیں۔ ایک خرقہ اجازت ہے جو تلقین و صحبت میں اپنے کسی مرید کو نائب مقرر کرنے اور طریقت کی اجازت دینے میں دیا جاتا ہے۔ تاکہ وہ طالبین سے بیعت لینے کا مجاز سمجھے۔ دوسرا خرقہ ارادت ہے جو کسی کو صوفیوں کے زمرہ میں داخل ہوتے وقت دیا جاتا ہے۔ تیسرا خرقہ تبرک ہے۔ جب کوئی شیخ کسی پر مہربان ہوتا ہے تو اسے عطا کرتا ہے تاکہ وہ صوفیا کی برکات حاصل کر سکے۔

(یادگار سہروردیہ)

قبلہ لالہ جی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے شیخ کے حوالے سے شیخ کامل کی علامتیں بھی بیان فرمائیں۔ ایسا شخص جس کا سلسلہ نسبت حضور اکرم ﷺ تک مسلسل ہو۔ بال بصیرت ہو، شریعت و سنت کا پاسدار ہو، دنیا کا طالب نہ ہو، حرص اور لائق سے پاک ہو، امرا کی نسبت غرباً سے زیادہ محبت رکھنے والا ہو، نفس کشی کر چکا ہو، اپنے شیخ کی محبت اور ادب میں ڈوبنا ہو، طہانتی نفس، سخاوت، قناعت، صدق، توكل اور وفا ایسی صفات حمیدہ کا آئینہ ہو، انوارِ الہی کا مظہر ہو، ناجنوں سے پرہیز کرتا ہو، حضرت خواجہ لالہ جی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا تھا کہ شیخ کی مالی اور بدنی خدمت بہت ضروری ہے اور یقیناً بہت فائدہ مند ہے، البتہ شیخ کو لائق نہیں کرنی چاہیے بلکہ جو شخص خدمت کرے اور جونہ کرے دونوں کو برابر سمجھے۔ ان میں ذرہ برابر فرق نہ جانے۔ کیونکہ کسی کو توفیق ہوتی اور کسی کو نہیں۔ ان کا اخلاص دیکھنا چاہیے اور برابر سلوک کرنا چاہیے۔

ایک موقع پر خدمت کے حوالے سے لالہ جی رحمۃ اللہ علیہ نے وضاحت کرتے ہوئے فرمایا کہ خدمت کی تین اقسام ہیں۔ مالی خدمت، بدنی خدمت اور روحانی خدمت۔

اور سارا عمل صرف بیوں سے ملکنے لگ جائے تو محض مشق ہوتی ہے اور ہر مشق اور فن نفس کی ضرورتیں پوری کرتا ہے روح کی نہیں۔

ایک مرتبہ آپ رحمتہ اللہ علیہ نے واردات قلبی حال اور مقام جیسی اصطلاحات کا ذکر فرمایا۔ آپ رحمتہ اللہ علیہ نے تفصیلی روشنی ڈالتے ہوئے فرمایا: ”صاحب نسبت جب یادِ الہی میں مشغول ہو جاتا ہے تو اس پر گزرنے والی واردات تین حالتوں سے خالی نہیں ہوتی اگر تو بالکل سطحی، وقتی اور عارضی ہوں تو یکسوئی کی اس کیفیت کو ”وقت“ کہتے ہیں اور اگر ان میں استقلال آجائے تو پھر یہ ”حال“ بن جاتی ہے اور حال باقاعدہ ایک نور کی شکل میں ہوتا ہے جو سالک کے سر سے لیکر اس کے مقام تک طولانی کرن کی صورت میں نظر آتا ہے بعض لوگوں کو چھتری کی مانند اور بعض کو جھنڈے کی مانند نظر آتا ہے اور یہ بھی ذہن میں رکھا جائے کہ حال بے عملی اور بے اتفاقی سے زائل بھی ہو جاتا ہے۔ ہاں اگر اللہ کا فضل نہ گرائے تو نہیں گرتا اور حال ملکہ رائخ بن جائے تو پھر اسے ”مقام“ کہتے ہیں۔ حال ایسی نازک چیز ہے کہ اس میں معمولی بات پر بھی کمی بیشی ہو جاتی ہے۔

الله جی رحمتہ اللہ علیہ نے کبھی فقر و ولایت کا دعویٰ کیا اور نہ ہی ایسے امور زیر بحث لائے جس سے یہ تاثر ملے کہ آپ رحمتہ اللہ علیہ خود کو ولی اللہ ظاہر کر رہے ہیں۔ بلکہ اگر کسی نے ان کے بارے میں اس قسم کی بات کی تو اچھا محسوس نہ کیا اور فوری طور پر توجہ دوسری طرف مبذول کروادی لیکن جب لوگ ایسے لوگوں کی بات کریں جو شریعت مطابرہ سے دور اور نام نہاد فقیری کا الباہد اوڑھے ہوں یا کسی مجدوب کو دیکھ کر یہ سمجھیں کہ یہ تو کوئی ”پہنچا ہوا“ شخص ہے تو اصلاح احوال کے لیے ضرور گفتگو فرمایا کرتے تھے۔ مثال کے طور پر ایک پیر صاحب ڈھول باجے اور بھنگڑا ڈالتے ہوئے مریدوں کے جلو میں آرہے تھے تو الله جی رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا: ”یہ وہ مسکین لوگ ہیں جنہیں فقر و ولایت کی ہوا بھی نہیں لگی۔ انہیں کون سمجھائے کہ بدعت گمراہی ہے اور ہر بدعت کا مٹھانہ آگ ہے۔ یہ بیچارے بھی اللہ کے سامنے جھکے ہوتے تو انہیں معلوم ہوتا۔ سرور قرب و معرفت کیا ہے۔۔۔ پھر فرمایا ولایت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کمال اطاعت کا نام ہے جو شخص اپنے آپ کو در رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے دور کر لیتا اسے سزا یہ ملتی ہے کہ زندگی بھر میراثی اسے کھیرے رکھتے ہیں۔ اور گور و کفن بھی انہی کے ہاتھوں ہوتی ہے۔“

مراد ہے؟ تو آپ رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا دل میں گزرنے والی کیفیات، انس، مستی، خوشی، ہیبت، راحت اور قبض و بسط وغیرہ۔ قبلہ لا لله جی رحمتہ اللہ علیہ نے مزید فرمایا کہ حال اور مقام کسی کامل اور صاحب نسبت کی توجہ کے بغیر حاصل ہونے والی چیز نہیں۔ یہاں کثرت عبادت کام نہیں کرتی۔ بلکہ توجہ کام کرتی ہے اور پیر و مرشد کی اونی سی ناراضی سے سالک حال اور مقام اور واردات قلبی کی دولت سے محروم ہو جاتا ہے۔ انہوں مثال دی کہ اگر مرشد کہے کہ دروازہ بند کر دو اور مرید کہے کہ نہیں حضور ہوا آ رہی ہے تو پیر کے دل پر اگر بوجھ آ گیا تو سالک محروم ہو گیا۔

فقر و ولایت

الله جی رحمتہ اللہ علیہ نے کبھی فقر و ولایت کا دعویٰ کیا اور نہ ہی ایسے امور زیر بحث لائے جس سے یہ تاثر ملے کہ آپ رحمتہ اللہ علیہ خود کو ولی اللہ ظاہر کر رہے ہیں۔ بلکہ اگر کسی نے ان کے بارے میں اس قسم کی بات کی تو اچھا محسوس نہ کیا اور فوری طور پر توجہ دوسری طرف مبذول کروادی لیکن جب لوگ ایسے لوگوں کی بات کریں جو شریعت مطابرہ سے دور اور نام نہاد فقیری کا الباہد اوڑھے ہوں یا کسی مجدوب کو دیکھ کر یہ سمجھیں کہ یہ تو کوئی ”پہنچا ہوا“ شخص ہے تو اصلاح احوال کے لیے ضرور گفتگو فرمایا کرتے تھے۔ مثال کے طور پر ایک پیر صاحب ڈھول باجے اور بھنگڑا ڈالتے ہوئے مریدوں کے جلو میں آرہے تھے تو الله جی رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا: ”یہ وہ مسکین لوگ ہیں جنہیں فقر و ولایت کی ہوا بھی نہیں لگی۔ انہیں کون سمجھائے کہ بدعت گمراہی ہے اور ہر بدعت کا مٹھانہ آگ ہے۔ یہ بیچارے بھی اللہ کے سامنے جھکے ہوتے تو انہیں معلوم ہوتا۔ سرور قرب و معرفت کیا ہے۔۔۔ پھر فرمایا ولایت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کمال اطاعت کا نام ہے جو شخص اپنے آپ کو در رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے دور کر لیتا اسے سزا یہ ملتی ہے کہ زندگی بھر میراثی اسے کھیرے رکھتے ہیں۔ اور گور و کفن بھی انہی کے ہاتھوں ہوتی ہے۔“

ایک صاحب نے لا لله جی رحمتہ اللہ علیہ سے سوال کیا، ”حضرت فقر کیا ہے؟“ آپ رحمتہ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا ”صحیح جواب تو علماء ہی دے سکتے ہیں لیکن میرے نزدیک فقر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرز زیست کا نام ہے۔“ یہ نہ باجاو سنگیت ہے اور نہ ہی یہ نے ورباب ہے۔ فقر

بدن کی مفلسی ہے ذہن کا غنا ہے اور دل کی زندگی ہے پھر آپ رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا میں صرف اللہ کی راہ پر چنان فقر جانتا ہوں۔ اور دل کو اللہ کے ذکر میں مست بنائے رکھنا میرے پیر و مرشد کا تلقین کیا ہوا وظیفہ ہے۔“

ایک موقع پر حضرت لا لله جی رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ”فتر غیور زندگی کا نور ہوتا ہے۔ فقیر جس طرح ”ذکر اللہ“ سے دل پاک رکھتا ہے اسی طرح رزق حلال کی جستجو سے پیٹ پاک رکھتا ہے۔ فقر وقار سے رہنے کا نام ہے درویش کا پیٹ بھوکا ہو سکتا ہے لیکن آنکھ بھوکی نہیں ہوتی۔ قناعت کے رنگ صرف فقر کے گلوں میں بھرے دیکھے جاسکتے ہیں۔ فقیر خدا مست مختنی ہوتا ہے جفا کش ہوتا ہے سخت کیش ہوتا ہے۔ وہ سستیوں کا مجاور نہیں ہوتا بلکہ وہ لبادہ پیوند گیر میں ملبوس ہوتا ہے لیکن وہ اپنی دریدہ گذری کی توہین نہیں کرتا۔ حسن سیرت کی قوس قزح اس کی زندگی کے آسمان پر رنگ بکھیرتی رہتی ہیں۔ ایک سائل نے عرض کیا لا لله جی! ہمارے شہر کراچی میں ایک صاحب ہیں ان کا کہنا ہے کہ ”نماز حقيقة ہونی چاہیے جن لوگوں کو حقیقی نماز حاصل ہو جاتی ہے انہیں ان خالی خولی نمازوں کی ضرورت نہیں رہتی“۔ حضرت لا لله جی رحمتہ اللہ علیہ کے لمحے میں بہمگی آ گئی آنکھیں سرخ انگارہ بن گئیں اور نہایت تیز انداز میں فرمایا:

”حقیقی نماز یہ وہ ہی ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت اور طریقہ کے مطابق ہوں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم زندگی کے آخری سانس تک نماز قائم کرتے رہے جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کو ترک نہ فرمایا تو دین جاہل صوفیوں کی میراث تھوڑی ہے۔ وہ تو نبی کا ورثہ ہے ایسا سوچنے سے قرآن مجید کی پانچ سو آیات معطل ہو جائیں گی اور یہ الحاد اور بے دیتی کی راہ ہے۔ شریعت مطابرہ پر اعتقاد کامل کے بغیر ”رضاء معرفت“ کی دنیا میں ایک قدم بھی نہیں چلا جاسکتا۔“

بعض لوگ کشف و کرامات کو ہی روحانیت کی معراج سمجھتے ہیں لیکن لا لله جی رحمتہ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ ان کے نزدیک کشف و کرامات کی کوئی اہمیت نہیں ہے ہمیشہ فرمایا کرتے اصل سرمایہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت و اتباع ہے۔

باتی آئندہ

الحسين بن علي

شہادتِ عظیمی

حکایتِ شہادتِ حسین رضی اللہ عنہ

محمد امین شرپوری

زینت ہے۔ جو اس کو دوست رکھے گا جنت میں میرے ساتھ ہو گا اور جس نے اس سے دشمنی کی وہ دوزخ میں جائے گا۔

تعلیم و تربیت

جب سیدنا حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ ذرا بڑے ہوئے اور پیروں پر چلنے لگے تو حضور ﷺ کے پاس آ کر خود ہی لیٹ جاتے، حضور ﷺ نماز میں ہوتے تو حضرت رضی اللہ عنہ حضور ﷺ کی پیٹھ پر بیٹھ جاتے اور اس وقت تک نہ اترتے جب تک حضور ﷺ میں سجدے سے سرنہ اٹھاتے، رکوع کے وقت اگر پیروں کے پیچ میں آ جاتے تو حضور ﷺ پاؤں پھیلا دیتے تاکہ آگے نکل کر بیٹھ جائیں۔ کبھی حضرت رضی اللہ عنہ حضور ﷺ کی گود میں بیٹھ کر کھیلا کرتے۔ غرض کہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے دامن رسالت ہی میں تعلیم و تربیت پائی۔ جب حضور ﷺ نے رحلت فرمائی تو حضرت رضی اللہ عنہ اپنے والد محترم اور بڑے بھائی سے اخلاق، عمل ریاضت، صدق، سخاوت اور حرم دلی کے سبق سکھتے رہے۔ سیدنا حضرت علی رضی اللہ عنہ جب خلیفہ ہوئے تو خلافت کے کاموں میں حضرت سیدنا رضی اللہ عنہ انہیں مدد دیتے رہے۔ سیدنا حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی سچائی کا اس سے بڑھ کر اور کیا ثبوت ہو سکتا ہے کہ حضرت رضی اللہ عنہ نے دین کے بدالے دنیانہ لی، حق پر قائم رہے اور بالآخر باطل سے نکلا کر حق کی حمایت میں جام شہادت نوش فرمایا۔

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی خاندانی وجاهت، شان، رعب اور جلال کا اس بات سے اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت رضی اللہ عنہ کو حضور ﷺ کے نواسے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے صاحزادے ہونے کا شرف حاصل ہے۔ حضرت کی زندگی میں حضور رسول مقبول ﷺ کے بعد نہایت استقلال، صبر و قناعت اور

حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ کی ولادت با سعادت سے قبل فضیل رضی اللہ عنہ کی ماں نے حضور رسول مقبول ﷺ سے عرض کیا کہ ”میں نے خواب میں دیکھا کہ آپ ﷺ کے جسم مبارک کا ایک حصہ میری گود میں رکھا گیا ہے۔“ حضور ﷺ نے اس کے جواب میں ارشاد فرمایا کہ تم نے اچھا خواب دیکھا ہے۔ فاطمہ کے بیٹا ہو گا وہ تمہاری گود میں رہے گا۔ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ شنبہ 4 شعبان 4ھ اس دنیا میں تشریف لائے۔ جب حضرت پیدا ہوئے تو حضور رسول مقبول ﷺ نے سیدنا حضرت علی رضی اللہ عنہ سے دریافت فرمایا کہ میرے بیٹے کا نام کیا رکھا، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا ”حرب“ رکھا ہے۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا نہیں اس کا نام حسین رضی اللہ عنہ ہے۔ پھر حضور ﷺ نے داہنے کا ان میں اذان اور بائیں کا ان میں تکبیر کی، ساتویں دن عقیقہ ہوا، سر کے بالوں کے برابر چاندی خیرات کی گئی۔ سیدنا امام حسن رضی اللہ عنہ کے بعد خوبصورتی میں حضرت سیدنا رضی اللہ عنہ کا ہی حصہ تھا، حضور رسول مقبول ﷺ حضرت کو گود میں لے کر کھلاتے تھے۔ کبھی پیار کرتے تھے اور کبھی کاندھے پر بٹھا لیتے۔ کسی نے حضور ﷺ سے دریافت کیا اہل بیت میں آپ ﷺ کو سب سے زیادہ کون عزیز ہے، حضور ﷺ نے فرمایا حسین رضی اللہ عنہ، پھر حضرت رضی اللہ عنہ کو لٹا کر دعا فرمائی کہ یا اللہ میں اس کو دوست رکھتا ہوں تو بھی اس کو دوست رکھا اور جو اس کو دوست رکھے اس کو بھی دوست رکھ۔ ایک مرتبہ حضور ﷺ نے فرمایا میں حسین رضی اللہ عنہ کو دوست رکھتا ہوں، جس نے اس کو دوست رکھا اور اس سے صلح کی اس نے مجھ کو دوست رکھا اور مجھ سے صلح کی، یہ مجھ سے ہے میں اس سے ہوں، یہ میری بیٹی کا بیٹا اور میری دنیا کا پھول ہے۔

جنت کے جوانوں کا سردار ہے، عرش کا نگرا، بہشت کی

بابرکتِ مہینہ محرم الحرام کی آمد کے ساتھ ہی مسلمانان عالم کے دل و دماغ میں اس سانحہ عظیم کی یادتا زہ ہو جاتی ہے جو کربلا کی تپتی ہوئی ریت پر حق و باطل کی جنگ کی صورت میں رونما ہوا تھا۔ کربلا کے میدان اس عظیم واقعہ کی قیامت تک گواہی دیتے رہیں گے کہ حق و باطل کا اس سے بڑھ کر عظیم معز کہ اس سے پہلے کبھی کفر کے میدان میں نہیں لڑا گیا۔ ہر سال محرم الحرام کی آمد اس سانحہ کی یادتا زہ کرتی ہے۔

مسلمانان عالم کے لیے اس سانحہ میں ایک ایسا پیغام پوشیدہ ہے جس سے غیور قومیں زندگی اور عظمت حاصل کرتی ہیں کیونکہ مسلمان صرف اللہ تعالیٰ کے لیے پیدا ہوا ہے، اس کی حیات و ممات صرف اللہ تبارک و تعالیٰ کے لیے ہے اور جس کی زندگی کا مقصد اللہ تعالیٰ کے نام کو بلند کرنا ہے۔ کربلا کے میدان میں سیدنا حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے جو عظیم قربانی دی تھی۔ اس کا مقصد یہی تھا کہ مسلمانان عالم کو ایثار و قربانی، تسلیم و رضا کا ایسا سبق دیا جائے جو قیامت تک ہر شخص کے ذہن میں محفوظ رہ سکے۔ یہی وجہ ہے کہ محرم الحرام ہر سال ہمارے لیے ایثار و قربانی، تسلیم و رضا کا پیغام لے کر آتا ہے۔ سید الشہداء حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے حق و صداقت، آزادی و حریت، امر بالمعروف و نہی عن المکر کی ایک عظیم الشان روایت قائم کی اور فرزندان اسلام کے لیے ایک ایسا اسوہ حسنہ پیش کیا۔ جس کی مثال قائم کرنا اور کسی کے بس کا کام نہ تھا اور یہ سب کچھ حضور رسول ﷺ کی تربیت کا نتیجہ تھا۔ سیدنا حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ سیدنا حضرت علی رضی اللہ عنہ کے چھوٹے صاحزادے اور حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کے چھوٹے بھائی تھے۔ حضرت سیدنا کی والدہ کا اسم مبارک حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا ہے۔

بردباری میں اور اضافہ ہو گیا۔ ایک دن حضرت مہمانوں کو کھانا کھلارہ ہے تھے، اتفاق سے غلام کے ہاتھ سے شوربے کا گرم گرم پیالہ سر مبارک پر گر گیا۔ حضرت رضی اللہ عنہ نے غلام کی طرف تعجب کی نظر سے دیکھا اس نے ادب اعرض کیا حضور غصہ پی جانے والے متقدی ہیں۔ حضرت رضی اللہ عنہ نے فرمایا غصہ پی لیا۔ خادم نے عرض کیا ایسے لوگ خطاط معاف کر دیتے ہیں۔ حضرت رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں نے قصور معاف کر دیا، پھر خادم نے عرض کیا، احسان کرنے والوں کو اللہ دوست رکھتا ہے۔ حضرت سیدنا رضی اللہ عنہ نے فرمایا جائیں نے تجھے آزاد کیا۔

ریاضت و مجاهدے میں حضرت سیدنا رضی اللہ عنہ اکثر مصروف رہتے۔ خداوند تعالیٰ کی یاد سے کوئی وقت خالی نہ جاتا تھا۔ اسلامی دنیا میں تصوف کی سب سے پہلی کتاب حضرت رضی اللہ عنہ نے ہی لکھی اور اسرا رجو سینہ بہ سینہ محفوظ تھے حضرت سیدنا رضی اللہ عنہ نے اپنے صاحزادے سیدنا حضرت زین العابدین رضی اللہ عنہ کے لیے کتاب کی صورت میں مرتب فرمائے اور اس کا نام مرات العارفین رکھا۔ حضرت رضی اللہ عنہ کی مہر میں یہ فقرہ کندہ تھا ”اللہ تعالیٰ بے شک ہر کام کو پورا کرنے والا ہے“۔ حضرت سیدنا رضی اللہ عنہ کی رفتار دیکھ کر اکثر صحابہ و جد میں آجاتے تھے کہ یہ حضور رسول مقبول علیہ السلام کے قدم مبارک معلوم ہوتے ہیں۔

حضرت رضی اللہ عنہ سینے سے قدم تک حضور علیہ السلام کے مشابہ تھے۔ ایک بار حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے حضرت رضی اللہ عنہ کے قدم پکڑ لیے اور عرض کیا کہ ان کو میرے کاندھوں پر رکھ دیجیے۔ حضرت رضی اللہ عنہ نے ان کی التجا قبول فرمائی تو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بلند آواز سے کہا، اے رسول اللہ علیہ السلام کے فرزند یہ وہ مبارک قدم ہیں کہ اگر لوگ سمجھیں تو حضرت سیدنا رضی اللہ عنہ کو ہمیشہ لوگوں کے سروں پر چلنا پڑے اور حضرت سیدنا رضی اللہ عنہ کو زمین پر پاؤں رکھنے کی نوبت نہ آئے۔

خلافت کے ہنگامے

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے انتقال کے وقت یزید کے نام ایک وصیت نامہ لکھ دیا تھا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بیٹے عبد اللہ رضی اللہ عنہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے بیٹے عبد اللہ رضی اللہ عنہ، حضرت زیر رضی اللہ عنہ کے بیٹے عبد اللہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بیٹے

حسین رضی اللہ عنہ کو خلافت کے لیے ابھارا جائے گا تم حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے ساتھ اچھی طرح پیش آنا کیونکہ وہ حضور رسول مقبول علیہ السلام کے نواسے ہیں۔ اگر وہ تمہارے قابوآ جائیں تو معاف کر دینا۔ یزید جب اپنے باپ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے بعد تخت پر بیٹھا تو اس نے ان چاروں سے بیعت لینے کا حکم جاری کر دیا اور لوگوں نے بیعت کر لی مگر حضرت زیر رضی اللہ عنہ کے صاحزادے اور سیدنا حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے مکہ معظمه چلے گئے۔ حضرت محمد بن حنفیہ نے بہت روکا مگر یہ بزرگانِ دین نہ رکے۔ سیدنا حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ جب مکہ پہنچ تو بہت سے لوگ حضرت رضی اللہ عنہ سے ملنے کے لیے آئے۔

حضرت زیر رضی اللہ عنہ کے صاحزادے بھی اکثر حضرت سیدنا رضی اللہ عنہ سے ملنے کے لیے آتے رہتے تھے۔ کوئے میں ان لوگوں میں سے جو سیدنا حضرت علی رضی اللہ عنہ کے طرفدار تھے انہوں نے اکٹھا ہو کر ایک جلسہ میں طے کیا کہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کو مکہ سے بلا یا جائے اور انہیں اپنا خلیفہ اور امام بنایا جائے چنانچہ ان سب لوگوں نے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کو خط لکھے، جب ڈیڑھ سو خطوط حضرت رضی اللہ عنہ کی خدمت میں پہنچ تو حضرت رضی اللہ عنہ نے ان کو جواب دیا کہ میں اپنے بھائی مسلم کو پہنچ رہا ہوں۔ پھر پوچھو تو امام وہی ہے جو اللہ تعالیٰ کی کتاب اور رسول اللہ علیہ السلام کی سنت پر عمل کرے۔

جب حضرت مسلم رضی اللہ عنہ کو فہ پہنچ تو جو لوگ حضرت رضی اللہ عنہ کے طرفدار تھے سب نے ان سے بیعت کر لی۔ جب انہوں نے یہ حالت دیکھی تو حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کو لکھ دیا کہ سب لوگ آپ رضی اللہ عنہ ہی کو امام بنانا چاہتے ہیں، آپ رضی اللہ عنہ چلے آئے۔ اس وقت تک انہائیں ہزار لوگ بیعت کر چکے تھے۔ بشیر کے بیٹے نعمان جو اس زمانے میں کوئے کے گورنر تھے ان کو جب معلوم ہوا کہ لوگ حضرت مسلم رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کر رہے ہیں وہ جامع مسجد میں آئے اور لوگوں سے کہا کہ تم جھگڑا پیدا نہ کرو۔ تباہی اور بر بادی کا نتیجہ تم دیکھ چکے ہو، نعمان بے چارے بہت نیک آدمی تھے۔ انہوں نے کسی پر ختنہ نہیں کی، لوگوں کے اعتراض کا یہ جواب دیا کہ جب تک خود مجھ سے کوئی نہ لڑے گا میں اس سے ہر گز نہ لڑوں گا۔ یزید کے خاندان والوں میں سے کسی

نے چپکے سے یزید کو یہ سب حال لکھ دیا اور یہ بھی لکھا کہ یہاں نعمان سے کچھ کام نہ چلے گا۔ یزید نے نعمان کو ہٹا کر عبید اللہ کو کوئے کا گورنر مقرر کر دیا اور اس کو حکم دیا کہ تم کوئے پہنچ کر مسلم رضی اللہ عنہ کو فرار انکاں دو یا قتل کر دو، عبید اللہ کو فے آیا اور اس نے گورنر کا عہدہ سنبھالنے کے بعد تقریر کی، میں حکم ماننے والوں کا دوست ہوں۔ اور جھگڑا کرنے والوں کا دشمن، ہر محلے کے رئیس اپنے محلے والوں کے نام لکھ کر میرے سامنے پیش کر دیں اور جو نیا آدمی آیا ہواں کو میرے پاس پکڑ لاؤ، ہر محلے کا رئیس اپنے محلے کا ذمہ دار ہے۔ جس محلے میں کوئی باغی پایا جائے گا اس محلے کے رئیس کو پھانسی دے دی جائے گی۔

شهادت حضرت مسلم رضی اللہ عنہ

سیدنا حضرت مسلم رضی اللہ عنہ کو جب یہ خبر ملی تو وہ غروہ کے بیٹے ہانی کے پاس چلے گئے، ابن زیاد کو معلوم ہوا تو اس نے ہانی کو بلا کر کہا میں نے سا ہے کہ تمہارے گھر میں لڑائی کا سامان جمع ہے کیا تم یزید کے دشمن ہو، تم نے اپنے گھر حضرت مسلم رضی اللہ عنہ کو کیوں ٹھہرایا ہے۔ اسے ہمارے حوالہ کر دو، ہانی نے حضرت مسلم رضی اللہ عنہ کو دینے سے انکار کر دیا، ابن زیاد عبید اللہ نے ہانی کو مارا اور قید کر دیا۔ سیدنا حضرت مسلم رضی اللہ عنہ کو جب اس واقعہ کی اطلاع ملی تو حضرت رضی اللہ عنہ گورنر کی قیام گاہ کا محاصرہ کرنے لے، حضرت رضی اللہ عنہ کے ہمراہ اٹھاڑہ ہزار لوگ وہ تھے جنہوں نے بیعت کی تھی۔ عبید اللہ نے ہر محلے کے رئیس کو حکم دیا کہ اپنے محلے کے لوگوں کو سمجھاؤ، ان لوگوں نے حکومت کے ڈر سے لوگوں کو ڈرایا دھمکایا جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ بیعت کرنے والے خوف سے بھاگ اٹھے۔ جب سیدنا حضرت مسلم رضی اللہ عنہ اکیلے رہ گئے تو آپ رضی اللہ عنہ طوعد کے پاس جا کر ٹھہرے۔ عبید اللہ نے اعلان کیا کہ جو کوئی شخص حضرت مسلم کو لائے گا انعام پائے گا۔ اشتہت کا بیٹا جب اپنے گھر آیا تو اس کی ماں طوعد نے کہا آج سیدنا حضرت مسلم رضی اللہ عنہ ہمارے گھر مہماں ہیں۔ بیٹے نے ماں کی اطلاع کے مطابق عبید اللہ کو خبر کر دی۔ عبید اللہ نے کچھ فوج بھیج دی، حضرت مسلم رضی اللہ عنہ نے مقابلہ کیا مگر تنہا کیا کر سکتے تھے۔ بالآخر عبید اللہ کی فوج نے سیدنا حضرت مسلم رضی اللہ عنہ اور ہانی کو شہید کر دیا۔ اوہ حضرت مسلم رضی اللہ عنہ کا خط پہنچنے پر سیدنا

دے کر اسلام کو ہمیشہ کے لیے زندہ جاوید بنا دیا۔ اہل بیت کے مصائب کا سلسلہ صرف شہادت تک ہی محدود نہ رہا بلکہ حضرت سیدنا رضی اللہ عنہ کے بعد ان کی خونچکاں لاش کو گھوڑوں سے روندا گیا۔ جسد بے سر کر بلا کے پتے سنگریزوں پر دھوپ میں پڑا رہا۔ سیدانیوں کو گرفتار کیا گیا، بیمار و ناتوان فرزند ارجمند کو زنجیروں میں جلد گیا۔ شاید خدا وہ بے نیاز کو اپنے پرستار صادق کی ابھی کچھ اور آزمائش منظور تھی، بادشاہ شام کے دربار میں حضرت رضی اللہ عنہ کے سر مبارک کو طشت میں پیش کیا گیا اور یزید ان دندان مبارک سے گستاخی کرتا ہے جنہیں حضور ﷺ بوسہ دیتے تھے۔ یہ حقیقت ہے کہ حضرت سیدنا رضی اللہ عنہ کی ان بے مثال قربانیوں سے وہ عظیم الشان فتح نصیب ہوئی کہ اسلام کے شیدائی آج بھی دنیا کے گوشے گوشے میں حق و صداقت کی شمع روشن کیے ہوئے جو کفر و ظلمت کی گہرائیوں میں ہمیشہ جگمگانی رہے گی۔

شہادت کبریٰ

سید الشہداء حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کا واقعہ ایسا ہے کہ قیامت تک ہر مسلمان کے دل و دماغ میں محفوظ رہے گا۔ شہادت کبریٰ منصب عظیم ہے جس کی ایک ایک ساعت پر ہزاروں برس کی عبادتیں کے قربان ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے حضور رسول ﷺ کے پیارے نواسے کو شہداء کرام کا شہنشاہ بنا کر شان رسالت کی تکمیل کرائی اور شہادت کبریٰ کے نوراقدس سے کفر کی تاریکیوں کو دور کر دیا۔ سیدنا حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ پر شہادت سری اور سیدنا حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ پر شہادت ظاہری اللہ تعالیٰ نے تقسیم کر دی اور حضور رسول ﷺ کے یہ دونوں نواسے نائب صوری و معنوی قرار دیے گئے۔ سیدنا حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت چونکہ ظاہری تھی جس کی شهرت ضروری تھی، اسی لیے قیامت تک اس کا ذکر مسلمانانِ عالم کی زبانوں پر جاری رہے گا۔ ان نقویٰ قدیمہ کو قدرت نے اسی کام کے لیے مخصوص کیا تھا اس لیے ان کے مراتب عالیہ کا اندازہ مشکل ہے۔

شہید کی عظمت و جلال کا اندازہ اللہ تبارک و تعالیٰ کے اس فرمان سے کیا جاسکتا ہے:

”جن لوگوں نے اللہ تعالیٰ کی راہ میں اپنی جانیں قربان کر دیں۔ ان کے متعلق اللہ

معمر کہ حق و باطل
دریائے فرات کے کنارے کر بلا کی ریگستانی سر زمین پر حضور رسول ﷺ کے نواسے اپنے بہتر (72) رفقاء کے ساتھ دشمنوں میں گھرے ہوئے تھے۔ اس کے باوجود حضرت رضی اللہ عنہ نے یزید کی خلافت کو تسلیم نہیں کیا۔ گرمی کی بے پناہ شدت، آفتاب کی تمازت، ریگستانی مقام اس پر دشمن نے پانی بند کر دیا ہے۔ خواتین شنسکی سے بے تاب ہیں اور بچے پیاس سے بے قرار، اس کے باوجود اسلام کے یہ نام لیوا اپنے امتحان میں کامیاب رہے۔ کر بلا کا میدان کا رزار گرم ہو گیا۔ حضرت سیدنا رضی اللہ عنہ کے رفقاء شمع نبوت ﷺ پر پروانہ وارثا ہونے لگے۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ اپنی خور دسالہ بچتھی کے لیے پانی لینے گئے۔ دشمنوں نے حملہ کر دیا۔ دونوں بازوؤکت گئے تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے دانتوں سے مشکیزہ پکڑ لیا، دشمنوں نے تیر مار کر مشکیزے کو چھلنی کر دیا اور آپ رضی اللہ عنہ پر اتنے تیر بر سائے کہ حضرت رضی اللہ عنہ نے جام شہادت نوش فرمایا۔ حضرت رضی اللہ عنہ کا انٹھارہ سال کا نوجوان بیٹا جو شکل و شباہت میں حضور ﷺ کا ہم شکل تھانیزے کے زخم کھاتے ہی صابر و شاکر باپ کے سامنے سرخ رو ہو کر جنت کو سدھا را، حضرت قاسم رضی اللہ عنہ تلواروں کا کاری زخم کھا کر اپنے شہید باپ اور شجاع دادا کی آغوش میں جا پہنچ، چھوٹے بچے بھی تلواریں لیے دادشجاعت دیتے جنت الفردوس میں جا پہنچے۔ یہاں تک کہ چھ ماہ کا ایک معصوم بچہ جو باپ کی گود میں تھا وہ بھی تیر کا نشانہ بنا اور خاتونِ جنت کی مقدس گود میں جا پہنچا۔ اس طرح تمام جلیل القدر رفیق حضرت سیدنا رضی اللہ عنہ پر جانیں شمار کر کے شجاعت اور ایمان کی قوت کا وہ مظاہرہ کر گئے ہیں جس سے تاریخ اسلام کے اوراق میں ان کے نام سونے سے لکھے جائیں گے۔

آخر سیدنا حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کی باری آئی۔ وہ گردن مبارک جو حضور ﷺ کی بوسہ گاہ تھی اس پر خولی اور شر نے خنجر چلا دیا۔ سیدنا حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ اس وقت نماز میں مصروف تھے۔ حضرت رضی اللہ عنہ کی روح مبارک جنت کی طرف پرواز کر گئی۔ اس طرح حق و باطل کی جنگ میں حضرت نے اپنی جستی اور اپنے گھر بار کو لٹا کر اپنے نانا پاک ﷺ کے دین پر آنچ نہ آنے دی۔ جان

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کو فے جانے کے لیے تیار ہوئے۔ بہت سے لوگوں نے روکنے کی کوشش کی مگر حضرت سیدنا رضی اللہ عنہ نے رکنے سے انکار کر دیا اور کوئے کی طرف روانہ ہوئے۔ جب غلبہ کے مقام پر پہنچ تو وہاں حضرت مسلم رضی اللہ عنہ کے قتل کی خبر ملی اور اشاعت کے بیٹے محمد کا خط ملا، اس وقت بعض رفقاء نے کہا اب کوفہ جانا بیکار ہے حالات بدل چکے ہیں اب وہاں ہمارا کوئی مددگار نہیں۔ جو حضرت مسلم کا حال ہوا وہی حال ہمارا ہو گا لیکن حضرت مسلم رضی اللہ عنہ کے بھائیوں نے کہایا تو ہم حضرت مسلم رضی اللہ عنہ کے قتل کا بدلہ لیں گے یا پھر جان دے دیں گے۔ سیدنا حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے فرمایا، جس کو جانا ہو وہ واپس چلا جائے میں کسی کو مجبور نہیں کرتا۔ چنانچہ اس ارشاد کے بعد واپس جانے والے واپس چلے گئے اور حضرت رضی اللہ عنہ کے ساتھ جانے والے آگے قدم بڑھانے لگے۔

جب حضرت رضی اللہ عنہ تھوڑی دور آگے گئے تو ایک ہزار سواروں کا ایک دستہ ملا جڑاں کا سپہ سالار تھا۔ اس نے حضرت سیدنا رضی اللہ عنہ سے کوئے آنے کا سبب دریافت کیا۔ حضرت رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ کوئے والوں نے مجھے بے شمار خطوط لکھ کر بلا یا ہے میں خود نہیں آیا، اُخ نے حضرت رضی اللہ عنہ کو روک لیا۔ تھوڑی دیر بعد عمر سعد ایک لشکر لے کر وہاں پہنچ گیا۔ اس نے بھی حضرت رضی اللہ عنہ سے کوئے آنے کی وجہ دریافت کی تو حضرت رضی اللہ عنہ نے اسے بھی یہی جواب دیا۔ عمر سعد نے ابن زیاد کو تمام واقعات لکھ بھیجے۔ حضرت رضی اللہ عنہ نے فرمایا مجھے یزید کے پاس بھیج دو میں خود اس سے گفتگو کر کے معاملہ طے کرلوں گا مگر یہ بات کسی نے نہ سنی بلکہ ان لوگوں نے یہ کہا کہ آپ رضی اللہ عنہ ہمارے قبضہ میں آچکے ہیں، ہم آپ رضی اللہ عنہ کو نہیں چھوڑیں گے، یا تو یزید کی بیعت قبول کریں ورنہ جنگ کے لیے تیار ہو جائیں۔ مجبوراً حضرت رضی اللہ عنہ کو وہیں قیام کرنا پڑا اور یہی وہ مقام تھا جہاں حق و باطل کی عظیم جنگ لڑی گئی اور کر بلا کا نام حق و باطل کے ساتھ لیا جانے لگا۔ اُخ پہلے دشمنوں کا ساتھی تھا۔ جب اس نے دیکھا کہ حضور ﷺ کے نواسے پر ناجائز سختیاں کی جا رہی ہیں پانی بند کر دیا گیا ہے تو وہ بھی حضرت سیدنا رضی اللہ عنہ کے جان شاروں میں آملا۔

پہاڑ عاشورہ کے دن پیدا کیے۔

حضرت خواجہ بہاؤ الدین زکریا رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جو شخص کیم محرم کو چار نفل اس تزکیب سے پڑھے کہ ہر رکعت میں سورہ فاتحہ کے بعد تین بار سورہ اخلاص اور سلام کے بعد گیارہ مرتبہ کلمہ طیبہ پڑھے تو اللہ تعالیٰ فرشتوں کو اس کی دین و دنیا کی حاجتوں کو بر لانے کے لیے مقرر کرتا ہے۔

حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مجھے ایک رات خواب میں حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ ملے اور ارشاد فرمایا کہ جو شخص محرم الحرام میں نماز اس طرح ادا کرے کہ ہر رکعت میں سورہ فاتحہ کے بعد تین بار سورہ اخلاص پڑھے اور اس کا ثواب مجھے بخشنے تو میں ثواب پہنچانے والے کی شفاعت اپنے نانا جان ملی گیا۔ کرنے کے بعد جنت میں داخل ہوں گا۔

حضرت بابا فرید شکر گنج رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے ایک رات خواب میں ایک نوجوان کو قبر میں دیکھا کہ اس کی نشت گاہ کے گرد ایک باغ لگا ہوا ہے اور بہشت کی حوریں اس کی خدمت پر مامور ہیں۔ میں نے اس شخص سے پوچھا بھائی تو نے دنیا میں ایسا کون سانیک کام کیا ہے جس کی بدولت اللہ تعالیٰ سے یہ انعامات حاصل ہوئے ہیں؟ اس شخص نے جواب دیا کہ بابا فرید میں دنیا میں کفن چراتا تھا لیکن ایک دن اتفاق سے مسجد کے پاس سے گزارا، وہاں ایک مولوی وعظ کر رہے تھے کہ جو شخص محرم الحرام کی تعظیم کرے گا اور ان دنوں کثرت سے نوافل پڑھے گا اس کو اللہ تعالیٰ بہت درجات عطا کرتا ہے چنانچہ میں نے سناتو اس فعل بد سے توبہ کی اور ہمیشہ محرم الحرام کی عزت و توقیر کرتا رہا، فیوض و برکات کے ان مبارک ایام کا سب سے بہتر طریقہ مجھے یہی نظر آیا۔

اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کو تسلیم و رضا، ایثار و قربانی کا مجسمہ بن جانے کی توفیق عطا فرمائے تاکہ اسلام کو زندہ کرنے اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی عظیم الشان فتح کی یاد کوتازہ رکھنے کی کوشش کریں اور ان کے بتائے ہوئے حق و صداقت کے راستے پر چل کر خدا اور اس کے محبوب حضور ملیٹیزم کی صحیح پیروی کر سکیں۔ تاکہ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنے کے ساتھ ساتھ انسان اس مقصد کی بھی تکمیل کرے جس کے لیے پیدا کیا گیا ہے۔

آج کے دن کی کیا اہمیت ہے کہ تم روزہ رکھتے ہو۔ یہودیوں نے جواب دیا۔ حضور ﷺ یا ایک عظیم دن ہے اور اس مبارک دن اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ اور ان کی قوم کو فرعون کی غلامی اور اس کے ظلم و ستم سے نجات دلائی تھی اور فرعون کو اور اس کی قوم کو اللہ تعالیٰ نے غرق کر دیا تھا۔ اس احسان عظیم کے شکریہ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے روزہ رکھا تھا اس لیے ہم بھی روزہ رکھتے ہیں، یہ جواب سن کر حضور ﷺ نے فرمایا تھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی سنت اختیار کرنے میں ہم تم سے زیادہ حقدار ہیں۔ پھر حضور ﷺ نے روزہ رکھا اور روزہ رکھنے کا حکم دیا۔

حضور سرور کائنات ﷺ ارشاد فرماتے ہیں کہ رمضان کے روزوں کے بعد یوم عاشورہ کا روزہ اور فرض نماز کے بعد تجد فضل ہے۔

(مسلم)

محرم کی دس تاریخ کو حضرت آدم علیہ السلام کی توبہ قبول ہوئی۔ اسی تاریخ کی ایک ساعت میں حضرت یونس کی خطائی میں معاف کی گئیں۔ اسی تاریخ کو شدید طوفان سے نجات پا کر حضرت نوح کی کشی کوہ جودی پر پہنچی۔ اسی تاریخ کو حضور ﷺ کے جگر گوشہ اور ان کے رفقاء نے ناموس اسلام اور سنت نبوی ﷺ کی حرمت کی خاطر خاک و خون میں تڑپنا پسند کیا۔ یہی وہ دن ہے جو حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی بے مثل قربانی کی یاد تازہ کرتا ہے۔

سیدنا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اے مسلمانو! تم محرم الحرام کی بہت تعظیم و توقیر کرو اللہ تعالیٰ تمہاری بہت عزت کرے گا اور جنت میں تمہیں جلدے گا اور عذاب قبر سے بھی نجات دے گا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا جو شخص چاہتا ہے کہ اسے موت کے وقت آسانی ہو تو محرم الحرام کی عزت و تعظیم کرے، ان دنوں بہت عبادت کرے اور زیادہ روزے رکھے وہ بہشت میں داخل ہو گا۔ حضور ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ جو مسلمان محرم الحرام کے پہلے دس دنوں میں روزے رکھتا ہے، اللہ تعالیٰ اسے دس ہزار شہدا کا ثواب عطا کرتا ہے، خاص طور پر عاشورہ کا روزہ توبہ ہی فضیلت رکھتا ہے۔

احترام عاشورہ

حضرت غوث عظیم سید عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آسمان، زمین، سمندر،

تعالیٰ کا حکم ہے کہ ان کو مردہ مت کہو بلکہ وہ زندہ جاوید ہیں انہوں نے تو ہستی مستعار کو ذات واحد الوجود میں مدغم کر کے حیات سرمدی حاصل کر لی۔

یہی وجہ تھی کہ سیدنا حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ پر احترام شریعت کا خوف ہمیشہ طاری رہتا تھا۔ حق و باطل کی جنگ کی وجہ یہی تھی کہ حضرت سیدنا رضی اللہ عنہ کو یزید کی حکومت سے دین مبین کے لیے خطرہ نظر آتا تھا۔ حضرت رضی اللہ عنہ ڈرتے تھے کہ اگر میں نے یزید کو تسلیم کر لیا تو دنیا میں ایمان و صداقت، کفر و باطل سے مغلوب ہو کر رہ جائے گا۔ حضرت رضی اللہ عنہ کے دل میں بیت اللہ کا احترام اور عظمت حد درجہ تھی اگر حضرت رضی اللہ عنہ یہ خیال نہ فرماتے کہ اگر میں ججاز سے باہر نہ گیا تو یزید کی فوجیں سرز میں داخل ہو کر اللہ کے گھر کی بے حرمتی کریں گی تو شاید آج اسلام کا نقشہ ہی کچھ اور ہوتا، حضرت رضی اللہ عنہ نے محض اللہ تعالیٰ اور اس کے محبوب ﷺ کی خوشنودی کے لیے روح فرسات کا لیف نہایت خنده پیشانی اور صبر و شکر کے ساتھ برداشت کیں۔ مگر زبان پر کوئی شکوہ نہ تھا، زخم کھاتے تھے اور خدائے واحد و برتر کا شکر ادا فرماتے تھے۔ حضرت رضی اللہ عنہ نے راہ حق میں یہ تمام مصائب برداشت کر کے امت مسلمہ کے سامنے ایسی زریں مثال پیش کی ہے جس کی نظیر نہیں مل سکتی۔ آج سے تیرہ سو سال پہلے جب چند نام نہاد مذہبی پیشوای دنیاوی اقتدار کے لیے اسلام کو ملیا میٹ کرنے کی کوشش میں مصروف تھے۔ مسلمانوں کی قوت عمل میں ضعف رونما ہو رہا تھا۔ حکومت کے خوف نے احکام خداوندی سنانے والوں کے لب و زبان پر مہر خاموشی لگادی تھی تو ان پر آشوب حالات میں حضرت رضی اللہ عنہ نے اپنی بے نظیر قربانیوں سے ایک زبردست انقلاب پیدا کر دیا اور بخبر دنیا پر یہ رازکھول کر رکھ دیا کہ جس کو اسلام کہتے ہیں وہ عمل سے وابستہ ہے۔ شہید کر بلکہ ذات مقدس سے ایثار و قربانی، صبر و رضا کا ایسا سبق ملتا ہے جس پر عمل پیرا ہو کر مسلمان اسلام کے گلشن کی آب یاری کر سکتا ہے۔

فضیلت عاشورہ

حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور رسول ﷺ جب مدینہ منورہ تشریف لائے تو یوم عاشورہ میں یہودیوں کو روزہ رکھتے دیکھا حضور ﷺ نے ان سے دریافت فرمایا کہ



سلسلہ چشتیہ کے تیرے سر براد، شہنشاہ ولایت، تاجدار تصوف

حضرت سیدنا بابا فرید الدین مسعود نجف شکر رحمۃ اللہ علیہ

صاحب زادہ ذیشان کلیم معصومی

گئے اسی روز سے آپ کا لقب شکر گنج ہوا۔ آپ کے اس لقب کے متعلق اور بھی روایات ملتی ہیں کہ ایک بار آپ دہلی میں مقیم تھے کہ خوب بارش ہوئی کچھر کی وجہ سے چلنے بھی محل ہو گیا آپ کو اپنے مرشد کامل سیدنا حضرت قطب الدین بختیار کا کی کی زیارت کا شوق ہوا کھڑا اوس پہنچے اور روانہ ہو گئے آپ نے سات روز تک کچھ نہیں کھایا تھا اچانک آپ کا پاؤں پھسل گیا آپ کے منہ میں تھوڑی سی کچھر جا گئی اور وہ کچھر اللہ کے حکم سے شکر ہو گئی۔ جب آپ اپنے شخ کامل کے پاس پہنچے تو انہوں نے فرمایا۔ فرید جب تھوڑی کچھر تیرے منہ میں پہنچی تو وہ شکر ہو گئی اللہ نے تیرے وجود کو شکر بنایا اور ہمیشہ تجھے میٹھار کھے گا اس کے بعد آپ جہاں بھی جاتے تو لوگ کہتے کہ حضرت بابا فرید الدین نجف شکر آگئے پھر آپ نے مرشد کامل کے حکم سے چالیس روز تک ایک قصبه کی مسجد کے کنویں میں الثانی لٹک کر مجاہدہ کیا۔ دن بھر مراقب رہتے اور شب کو رازدار موذن آپ کو کنویں میں الثانی کا کرسی سے ایک درخت سے باندھ دیتا اور صبح آپ کو باہر نکال لیتا جب حضرت خوجہ غریب نواز دہلی تشریف لائے تو حضرت قطب الدین بختیار کا کی نے اپنے تمام خلفاء اور مریدین کو آپ کی خدمت میں پیش کیا آپ نے سب سے ملنے کے بعد حضرت قطب الدین بختیار کا کی سے کہا کہ اے قطب کیا اور بھی کوئی ملنے والا باقی رہتا ہے تو آپ نے جواب دیا جی حضور بھی ایک مرید رہتا ہے جو چلہ میں مصروف ہے سرکار سلطان الہند نے فرمایا کہ چلو ہم خود اس مرید کے پاس چلتے ہیں آپ وہاں پہنچے جہاں حضور بابا فرید چله کشی میں مصروف تھے حضرت خوجہ معین الدین چشتی اور اپنے مرشد خوجہ قطب الدین بختیار کا کی کو دیکھ کر آپ نے تعظیماً اٹھ کر کھڑے ہونے کی کوشش کی تو کمزوری کی وجہ سے اٹھ کھڑا گئے آپ کی یہ کیفیت دیکھ کر خوجہ غریب نواز نے فرمایا قطب الدین اس کو اور کتنا آزمائش میں ڈالو گے اب اس کو نواز دو۔ حضرت قطب الدین بختیار کا کی نے عرض کی حضور آپ کی موجودگی

وہیں قطب الاقطاب حضرت قطب الدین بختیار کا کی تشریف لائے آپ نے پوچھا کیا پڑھ رہے ہو؟ بابا صاحب نے عرض کی حضور کتاب نافع کا مطالعہ کر رہا ہوں۔ آپ نے فرمایا کہ کچھ نفع بھی ہوا؟ بابا فرید نے جواب دیا نافع تو آپ کی نگاہ ولایت سے ہو گا۔ حضرت قطب الدین بختیار کا کی نے بابا فرید کو بیعت کر لیا اور فرمایا کہ تکمیل علوم کے بعد میرے پاس آنا مزید علم کی پیاس بچانے آپ قندھار گئے۔ کچھ عرصہ یہاں علم حاصل کرنے کے بعد دارالعلوم بغداد میں ایک مدت علم حاصل کیا اور سنہ فضیلت حاصل کی اس مدت میں آپ حضرت شیخ الشیوخ شیخ شہاب الدین عمر سہروردی، شیخ بہاؤ الدین جموی، شیخ واحد الدین کرمانی، شیخ سیف الدین باخضی اور شیخ فرید الدین محمد نیشاپوری کی برابر خدمت عالیہ میں حاضر ہوتے رہے اور ان جید کاملین سے فیض پاتے رہے۔

اس کے بعد آپ اپنے مرشد کامل کے پاس واپس دہلی گئے آپ خود ہی فرمایا کرتے تھے کہ میں شیخ الشیوخ حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی کی صحبت میں رہا آپ کے پاس جو کچھ آتا آپ را خدا میں تقسیم فرمادیتے سیف الدین باخضی نے یہ دیکھ کر فرمایا فرید مشاہ نجف روزگار میں سے ہو گا اور اولاد و مرید بکثرت ہوں گے اسی طرح آپ بخارا، بلخ، نیشاپور، بدخشان اور ہرات سے ہوتے ہوئے ملتان آئے اور یہاں شیخ الاسلام حضرت غوث بہاؤ الدین زکریا ملتانی کے پاس قیام فرمایا۔ ظاہر ہے کہ اتنے بزرگوں کی صحبت و فیوض ہی نے آپ کو ہمیں سے کہیں پہنچا دیا مگر آپ کو تو یگانہ روزگار بننا تھا اس لیے مرشد گرامی نے آپ کو مجاہدہ تلقین فرمایا۔ دروازہ غزنوی کے برابر جو برج تھے اسی میں مصروف مجاہدہ رہتے۔ ہفتے میں ایک بار قطب الاقطاب سے ملنے جایا کرتے تھے پھر قطب صاحب نے روزہ مبارک طریکھا یا کہ جب غیب سے ملے تو کھانا چھ روزگز رہنے۔ ایک دفعہ بھوک کی شدت سے بے قرار ہو کر آپ نے سنگ ریزوں کو اٹھا کر منہ میں رکھ لیا تو وہ شکر بن

بر صغیر میں اشاعت اسلام کا سہرا صوفیاً کے ملین کی مقدس جماعت کے سر ہے ان نیک سیرت بندگان خدا نے بے شمار لوگوں کو دولت ایمان سے مستفید فرمائیں کے قلوب میں عشق رسول کی قند ملین روشن کیس ان اولیائے کاملین کی جماعت میں سیدنا حضرت بابا فرید الدین مسعود نجف شکر نمایا ہیں۔ ارض ہند کے جید مشاہیر میں ان کا مقام و مرتبہ بہت بلند ہے۔ آپ کے دادا حضرت شیخ قاضی شعیب اہل و عیال کے ہمراہ کابل سے لاہور آئے پھر قصور آئے اور آپ کابل کے بادشاہ فخر شاہ کے خاندان سے تھے آپ کا پدری نسب امیر المؤمنین مرادر رسول سیدنا حضرت عمر فاروق اعظم سے جاتا ہے۔ چونکہ فضلاً عصر میں سے تھے اس لیے کوکھتوال کے قاضی مقرر ہو گئے اور وہیں رہنے لگے ان کے بعد آپ کے والد حضرت شیخ جمال الدین سلیمان بھی قاضی مقرر ہوئے آپ کی والدہ ماجدہ بی بی قرسم خاتون بنت مولانا وجہیہ الدین بھی بڑی بزرگ اور صاحب ولایت تھیں۔

حضرت بابا فرید الدین کی ولادت ۵۷۵ھجری میں ملتان کے ایک قصبہ کھوتوال میں ہوئی۔ بعض مؤرخین نے ۵۲۹ھ لکھا ہے۔ آپ کا اصلی نام مسعود ہے البتہ حضرت فرید الدین عطار نے آپ کو فرید الدین کا نام دیا لیکن آپ نجف شکر کے لقب سے مشہور ہوئے۔ آپ مادرزادوںی تھے کہ شہر میں ماہ رمضان کے چاند کے متعلق ابر کے باعث کچھ اشتباہ تھا ایک ابدال نے لوگوں سے کہا مطمئن رہو آج شب قاضی صاحب کے یہاں ایک بچ پیدا ہو گا جو آگے چل کر قطب الاقطاب بنے گا اگر اس نے صبح دودھ نہ پیا تو روزہ رکھنا۔ چنانچہ آپ نے دودھ نہ پیا اور سب نے روزہ رکھا۔ رمضان بھر آپ کا یہ عالم رہا کہ دن بھر دودھ نہ پیتے تھے۔ جب چار برس کے ہوئے تو مکتب میں داخل ہوئے اور ایک قلیل وقفہ مدت ہی میں تمام ضروری علوم سے فراغت پالی۔ ایک روز آپ ملتان کی مسجد مولانا منہاج الدین میں بیٹھے ہوئے کتاب نافع کا مطالعہ فرمارہے تھے

میں میری کیا مجال۔ حضرت خواجہ غریب نواز نے حضور بابا فرید کو سینے سے لگا کر ایک ہی پل میں روحانیت کے اعلیٰ ترین مرتبہ پر پہنچا دیا خواجہ قطب الاقطاب نے خرقہ خلافت، عصا و مصلی و تعلیم چوبیں اور دیگر تبرکات بھی آپ کو عطا کر کے آپ کو اپنا جانشین مقرر فرمایا اور آپ کو تبلیغِ اسلام کے لیے وجودِ حسن (پاک پتن) جانے کی ہدایت فرمائی۔

حضرت بابا فرید الدین اپنے وقت کے بہت بڑے عالم بھی تھے ایک بار ایک مجلس میں آپ نے فرمایا کہ اسلام کا چھٹا رکن روئی ہے۔ اس محفل میں ایک مولانا صاحب بھی موجود تھے یہ بات سن کر انہوں نے کہا کہ میں عالم دین ہوں اور جانتا ہوں کہ اسلام کے پائچے رکن ہیں آپ کیسے کہہ رہے ہیں کہ اسلام کا چھٹا رکن روئی ہے حضور بابا صاحب نے فرمایا کہ اس کا تمہیں عملی تجربہ ہو جائے گا کچھ عرصہ کے بعد مولانا صاحب نے حج کا اردا کیا حج سے واپسی پر مولانا کا بھری جہاز جس میں سفر کر رہے تھے سمندری طوفان کی زد میں آکر بتاہ ہو گیا مولانا ایک تختے کے سہارے تیرتے ہوئے ایک جزیرے پر پہنچ گئے جزیرہ بالکل ویران تھا مولانا ڈوبنے سے تو نجع گئے مگر بھوک کی شدت سے بتاب تھے لیکن تلاش کے باوجود کھانے کو کچھ نظر نہ آیا اسی اشناہ میں ایک آدمی آیا جس کے پاس کھانا تھا مولانا صاحب نے اس آدمی سے کھانے کا کھانا تو اس نے کہا کہ روئی کی قیمت دوجوکہ مولانا کے پاس نہ تھی اس آدمی نے کھانے کے عوض مولوی صاحب سے حج کا ثواب ایک کاغذ پر لکھوا یا الغرض اسی طرح اس آدمی نے وقار فوقا مولوی صاحب سے روئوں کے بد لے ان کی تمام عبادات نیکیوں کا ثواب لکھوا یا چند دن بعد ایک جہاز جزیرے کی طرف آنکلا جس پر سواری کر کے مولوی صاحب وطن پہنچے۔ جب وہ بابا فرید کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے سفر حج کا احوال پوچھا اور فرمایا کیوں جتنا ب روئی دین کا چھٹا رکن ہے یا نہیں مولوی صاحب اب بھی اپنی بات پڑھ رہے ہے آپ نے مولوی پر بیتا ہو اواقعہ سنایا اور فرمایا آپ روئوں کے بد لے اپنی ساری زندگی کی عبادات کا ثواب دے چکے ہیں بثوت کے طور پر آپ نے مولانا کو ان کے ہاتھ کا لکھا ہوا کاغذ بھی دکھایا یہ دیکھ کر مولوی بہت شرمندہ ہوا اور آپ کی بات سمجھ گیا۔

سلطان غیاث الدین بلبن حضور بابا صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا عرض کی کہ بندہ تو کئی بار شرف اندوز سعادت ہو چکا ہے مگر بیگمات کو زیارت کی آرزو بے تاب رکھتی ہے بندہ نوازی فرمائیں اگر آپ دبلي

تحا آپ اپنے پیر و مرشد کے نہایت فرماں بردار تھے آپ کے گھر میں فقر و فاقہ رہتا تھا جب آپ کا وصال ہوا گھر میں کفن کے لیے پیسہ نہ تھا مکان کا دروازہ توڑ کراس کی اینٹیں قبر میں لگائی گئیں۔ آپ ہمیشہ روزہ رکھتے تھے شربت کے ایک پیالے سے افطار فرماتے تھے تھے تھوڑا خود پیتے باقی حاضرین کو تقسیم فرماتے تھے۔ دو روئوں میں سے ایک خود کھاتے اور دوسرا حاضرین کو تقسیم فرمادیتے تھے آپ کی پوشک شکستہ ہوتی ایک کمبل تھا جو اتنا چھوٹا ہوتا تھا کہ جب پیروں پر ڈالتے تو سر کھل جاتا تھا اور جب سر پر ڈالتے تو پیر کھل جاتے۔ تو کل کا یہ عالم تھا کہ جو کچھ آتا ہو خرچ کر دیتے تھے۔ آپ اکثر فرماتے تو بہ کی چھ قسمیں ہیں ایک دل اور زبان سے توبہ کرنا، دوسرے آنکھ کی، تیسرا کان کی تو بہ، چوتھے ہاتھ کی، پانچوں پاؤں کی، اور چھٹی نفس کی توبہ آپ فرماتے کہ درویش جو اس دنیا کی نعمت و جاہ کا خواستگار ہو اور اپنی ذات کو اونٹ کر کر نے کی کوشش کرے پس اس کی نسبت جاننا چاہیے کہ وہ درویش نہیں ہے درویشوں کا نام بدنام کرنے والا ہے کیونکہ فقراء کو دنیا سے اعراض ہے آپ فرمایا کرتے تھے کہ چار چیزوں کا خیال رکھنا ضروری ہے آنکھ کو ناقابل دید چیزوں کے دیکھنے سے روکے، کانوں کو ناقابل شنید باتوں کے سنبھل سے روکے، زبان کو گونگا بنائے، ہاتھ پاؤں کو منوعہ اعمال سے روکے۔ ایک موقع پر آپ نے فرمایا کہ چار چیزوں کے متعلق سات سو پیران عظام سے پوچھا گیا سب نے ایک ساجواب دیا سوال تھا آدمیوں میں سے سب سے زیادہ عقل مند کون ہے جواب تھا گناہوں کو ترک کرنے والا۔ سوال ہوا آدمیوں میں سب سے زیادہ ہوشیار کون ہے جواب تھا جو کسی چیز سے پریشان نہ ہو۔ پھر پوچھا گیا آدمیوں میں سب سے زیادہ غنی کون ہے جواب تھا قناعت کرنے والا اور جب پوچھا گیا کہ سب سے زیادہ محتاج کون ہے تو جواب ملا قناعت ترک کرنے والا زندگی فقر کی، عادت زہد کی، خدمت خلق کی، یہ درس تھا اس درویش کا جو وصال کے بعد آج صدیاں بیت جانے کے بعد بھی زندہ ہے اور دلوں پر حکومت کر رہا ہے اللہ ہمیں ان صوفیائے کاملین کی مقدس تعلیمات پر عمل پیرا ہونے کی توفیق عطا فرمائے اور ملک پاکستان کو دہشت گردی اور فرقہ واریت سے نجات دلائے۔ آمین

حضرت بابا فرید الدین مسعود نے اپنی تمام زندگی مخلوق خدا کو محبت، بھائی چارے، رواداری کا درس دیا اور خدا کے قریب کیا آپ کا وصال مبارک بروز منگل ۵ محرم الحرام ۱۷۰۶ھ کو ہوا وصال سے قبل آپ کی صحت کچھ خراب ہو گئی تھی آپ نماز عشاء حالت سجدہ میں اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔ وقت وصال آپ کی عمر ۹۵ برس تھی آپ کا مزار پر انوار پاک پتن شریف میں منع فیوض برکات ہے جہاں سے آج بھی لاکھوں لوگ فیض یاب ہو رہے ہیں اور ہر روز یہاں سینکڑوں عقیدت مند نظر آتے ہیں۔ آپ ریاضت و عبادت، مجاهدہ فقر اور ترک تحریک میں بے نظیر تھے شہرت پسند نہ فرماتے تھے آپ کو استغراق بہت تھا سماع کا بہت شوق

فقط زگاہ سے ہوتا ہے فیصلہ دل کا نہ ہو زگاہ میں شوخی تو دلبری کیا ہے

سید ریاض حسین شاہ

دیکھونا تمہاری امی بی بی نے تمہیں کبھی دھوکے بغیر کھانا بھی پکا کر نہیں کھلا دیا۔ جو ضروری بات مجھے تم سے کرنی ہے وہ یہ کہ انگریزی تعلیم کے شوق میں دینی علم چھوڑنا دینا۔ کسی دارالعلوم میں آؤ جاؤ اور دین سیکھتے رہو، پھر اس کے بعد آپ نے ایک جھر جھری لی اور کہا ”اللہ اکبر۔۔۔!!“ اور اپنا بیگ کندھے پر رکھ لیا اور چل پڑے۔ لڑکا ان کی پراسرار خصیت کو دیکھتا رہا۔ تھوڑا آگے بڑھے اور پھر واپس ہو گئے اور پچھا انگور خریدے اور لڑکے کو آواز دی۔

”آؤ ادھر آؤ۔

یہ انگور بہت میٹھے ہیں خود بھی کھانا اور دوستوں کو بھی کھانا۔ السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ۔

1968ء میں جو انگور حضرت نے اس لڑکے کو دیے تھے وہ آج بھی کھارہا ہے اور اس کے دوست بھی کھارہ ہے ہیں۔ اس کا کہنا ہے کہ یہ انگور اس کو جنت میں بھی ملیں گے۔

قدح سے دل ہے مراد اور میسے عشق غرض
میں وہ نہیں کہ نہ سمجھوں زبان بادہ فروش



سات آیات میں غور و فکر کرو۔ تمہیں اس پورے نظام تک رسائی مل جائے گی اور ربط و ضبط مل جائے گا۔ جس سے تم قرآن میں اتر جاؤ گے۔ ہم یوں کہہ سکتے ہیں کہ سورۃ الفاتحہ ایک کشتی لے کر خود ملاج بن کر اس کائنات میں اترتی ہے تو یہ قرآن کا منشور دریتی ہے اور کہتی ہے اب اس کو پڑھتے چلے جاؤ۔ جس وقت ہم ”سورۃ الفاتحہ“ کی سات آیات کو قرآن مجید کی ”114“ سورتوں کے ساتھ ایک خاص ترتیب کے ساتھ مربوط کریں گے تو یہی سورت اپنے جھملاتے ماحول اور جھملاتے نور کو لے کر اپنے قاری کو قرآن کی جنت میں پہنچا دیتی ہے۔

کرنا ہے۔ تمہاری آنکھوں میں روشنی ہے۔ اگر تم نے دیکھنے کی کوشش کی تو تم ان را ہوں میں بھی ناکام نہیں ہو گے۔ میں نے سنا ہے جب تم پانچویں کے طالب علم تھے تو افق پر تم نے روشنیوں سے کلمہ طیبہ لکھا ہوا دیکھا تھا۔ کیا اب تم وہ روشنی، وہ نور اور وہ تحریر سب بھول گئے ہو۔ ہاں تو تمہیں بھوک لگی ہو گی آؤ کھانا کھاتے ہیں، اس کے ساتھ ہی سب لوگ ایک چھوٹے سے ہوٹل میں بیٹھ گئے اور آپ نے شفقت سے اس لڑکے کو سینے سے دبایا اور پھر اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں دبایا اور فرمایا ذکر کرتے ہو اگر نہیں کرتے تو کیا کرو۔۔۔ لڑکے نے کہا ”حضرت خواجہ خضر علیہ السلام کیسے مل سکتے ہیں؟۔۔۔“

”اللہ اکبر کتنی چھوٹی سی بات پوچھی ہے۔

پوچھا ہوتا انسان خضر کیسے بن سکتا ہے؟“

”آپ نے فرمایا：“

اوگی آنابتاوں گا خضر کیسے بنتے ہیں؟ خضر کیسے رہتے ہیں اور خضر کیسے گھومتے ہیں لیکن یاد کھانا نماز نہ چھوڑنا۔ اگر تم نے نماز چھوڑی تو پھر کسی سوال کا جواب نہیں دوں گا۔

لڑکے نے پوچھا؟
”اللہ جی! آپ کہاں تشریف لے جا رہے ہیں۔“

”میں اوگی جا رہا ہوں،“ آپ نے فرمایا۔
”آپ نے تکلیف فرمائی میرے پاس تشریف لائے،“ لڑکے نے کہا۔

آپ فرمائے لگے:

میں کوئی سے واپس آ رہا ہوں سوچا جاتے ہوئے تمہیں دیکھتا جاؤں۔ لویہ دور پے تم اپنے پاس رکھ لو اور دیکھو تم سید ہو اور سید نمازیں چھوڑ انہیں کرتے۔ دیکھا تم نے کہ تمہارا پچھا سید عبد المنان شاہ کتنا وفادار آدمی ہے۔ پہلے یہ بزرگ تھا اب یہ محض مسلمان ہے اس نے پرانے روپ اتار پھینکے ہیں۔ یہ علم ڈھونڈتا تھا علم والے نے کانٹا اس کی طرف پھینک دیا اب یہ شکاری ہے۔ بدعتوں کا دشمن ہے، رسم و رواج سے نفرت رکھتا ہے، دین اس کی سوچوں کا مرکز بن چکا ہے۔ بیٹھے! تم جہاں پڑھتے ہو یہ تمہاری منزل نہیں ہے۔ تمہاری منزل اور ہے تمہیں اسے بھی تلاش

باقیہ ”حکمت قرآن“

سوال 5

سورت کی سات آیات ہیں۔ کیا آیتوں کی تعداد میں بھی کوئی حکمت ہوتی ہے؟

جواب

مولائے کائنات حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم فرماتے ہیں:

”سورۃ الفاتحہ عرش کے خزانوں میں سے ایک خزانہ ہے۔“

قرآن مجید کی سورتوں میں آیات کی تعداد کا جو نظام ہے۔ ان میں کئی حکمتیں ہیں لیکن ان کے معاملے

میں جب تک کوئی بات خود قرآن سے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث سے ثابت نہ ہو، پچھہ کہا نہیں جا سکتا۔ بعض مفسرین نے اس حوالے سے اپنی آراء دی ہیں۔

سات کا عدد تخلیق کائنات کے ساتھ ایک گہرا ربط رکھتا ہے۔ مثلاً آسمان سات ہیں۔ آسمانوں کے اوپر جو عالم ہیں ان کی تعداد بھی سات ہیں۔ افلک (Orbits) (mother colors)

بھی سات ہیں۔ زمینوں کی تعداد بھی سات ہے۔ کہیں اس میں اشارہ یہ نہ ہو کہ اگر تم سات آسمانوں اور سات زمینوں کے ذائقے، اثرات، علوم اور معارف حاصل کرنا چاہتے ہو تو سورۃ الفاتحہ کی

قرآن پاک کے نہایت موثر پیغامات

ماستر احسان الہی قصور

قطع: 23

میں اور جو روزی ہم نے دی اس سے خرج کرتے ہوں۔“

مشاورت کے عمل سے بہت سے مسائل حل اور آسان ہو جاتے ہیں۔ جب بندہ کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے میں گولگاہ اور کنفیوژن کا شکار ہو جائے تو کسی مخلص دوست، بزرگ یا عالمگرد اور دانا لوگوں سے مشورہ کر لیں چاہیے۔ اس سے بندے کو راہنمائی اور سپورٹ مل جاتی ہے اور وہ صحیح فیصلہ کر کے آگے بڑھ سکتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی مشاورت کے عمل کو پسند کرتے تھے بلکہ بعض موقعوں جہاد اور دوسرا سے امور میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مشاورت فرماتے تھے حالانکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ دانا، عالمگرد، زیریں اور فہم و فراست والا کون ہو سکتا تھا۔ جب مشاورت مکمل ہوتی تو آپ اپنی حقیقی رائے پر مشورہ کو بہتر اور پسند فرماتے ہوئے اس پر عمل کا حکم فرماتے۔

58۔ ترک دنیا کی ممانعت

”پھر ہم نے ان کے نقوش پر مسلسل رسول بھیجے اور ان کے بعد عیسیٰ بن مریم کو بھیجا اور انہیں انجل دی اور ان کے پیروکاروں کے دلوں میں نرمی اور رحمت رکھی، رہبانیت کی بدعت تو انہوں نے خود شروع کی، ہم نے ان کے لیے اس کی لکھت نہیں دی تھی اگرچہ ان کا مقصد اللہ کی رضا چاہنا تھا لیکن وہ اس کو بناہ نہ سکے جیسا کہ ان کا حق تھا، ان کے ایمان والوں کو ہم نے ثواب دیا اور ان میں سے کثیر تعداد فاسقوں کی ہوئی۔“ (سورۃ الحدید: 27)

اسلام میں ترک دنیا اور رہبانیت کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ حضور آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث ہے کہ: ”تم میں بہتر وہ ہے جو اپنے گھر والوں کے لیے بہتر ہے اور میں اپنے گھر والوں کے لیے تم سب سے بہتر ہوں۔“ اسلام اجازت نہیں دیتا کہ بندہ سب کچھ چھوڑ

سرمایہ ہے جو تعمیر انسانیت، سیرت و کردار میں بنیادی حیثیت رکھتا ہے۔ عبادات ہوں یا اعمال و معاملات اور اسلام کی ہر تعلیم کا مقصود فلسفہ تقویٰ کی روح کا مرہون منت ہے۔ سورہ آل عمران کی آیت نمبر 76 میں ارشادِ بانی ہے:

”ہاں جس نے اپنے عہد کی پاسداری کی اور تقویٰ اختیار کیا تو بے شک اللہ تقویٰ داروں سے محبت رکھتا ہے۔“

متقیٰ اللہ تعالیٰ کا محبوب ہے۔ متقیٰ کا اللہ تعالیٰ معاون و مددگار بن جاتا ہے اور بے پناہ محبت کرتا ہے۔ متقیٰ کو اللہ تعالیٰ دین کی سمجھ بوجھ عطا فرمادیتا ہے اور اسے ہر قسم کے اندیشوں کے تکرات سے آزاد فرمادیتا ہے اور ایمان کے اعلیٰ درجے پر فائز فرمادیتا ہے۔

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے آخری خطبہ میں فرمایا: ”اے لوگو سنو! تمہارا رب ایک ہے اور کسی عربی کو بھی پر اور عجمی کو عربی پر، گورے کو کالے اور کالے کو گورے پر کوئی فضیلت نہیں اور یہ صرف تقویٰ سے ہے۔“

(منداحمد بن حنبل)

تقویٰ مؤمنین کے لیے لباس اور بہترین زادِ راہ ہے۔ یہ وہ عظیم نعمت ہے جس سے دل کی بندش کھل جاتی ہے جو راستہ کو منور کرتی ہے اور اس کی ہی بدولت گمراہ بھی ہدایت پا جاتا ہے۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم سے متعلق ایک قول ہے کہ تقویٰ دراصل اللہ تعالیٰ سے ڈرنے، شریعت پر عمل کرنے اور جو مل جائے اس پر قناعت کرنے اور قیامت کے دن کی تیاری کرنے کا نام ہے۔

57۔ فیصلے مشاورت سے کیا کرو

سورۃ الشوریٰ آیت نمبر 38 میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

”اور وہ جنہوں نے اپنے رب کا حکم مانا اور نماز قائم کی اور ان کا کام مشورہ لینا ہوا آپس

56۔ تم میں زیادہ معزز وہ ہے جو زیادہ پرہیز گار اور تقویٰ دار ہے

”تم میں جو سب سے زیادہ تقویٰ والا ہے اللہ کے ہاں وہ سب سے زیادہ عزت والا ہے۔ بے شک اللہ بہت جانے والا اور اچھی طرح خبردار ہے۔“ (سورۃ الحجرات آیت 13)

قرآن حکیم مقنی لوگوں کی ہدایت کے لیے ہے اور بزرگان دین کا وصف اولین تقویٰ ہی رہا ہے۔ قرآن مجید میں تقویٰ کا ذکر بار بار آیا ہے۔ تقویٰ کے معنی پرہیز گاری کے ساتھ ڈرانے اور بچنے کے بھی ہیں یعنی پیلکی اور ہدایت کی راہ اختیار کرنا ہے اور یہ دل کی اس کیفیت کا بھی نام ہے جس کے ذریعے دل نیک کاموں کی طرف مائل ہونے لگتا ہے اور اس کی تزویہ پیدا ہوتی ہے اگر اس کا تعلق اللہ یا قیامت کے دن سے ہو تو اس سے ڈرنا مراد ہوتا ہے کیونکہ رب سے اور قیامت سے کوئی نہیں بچ سکتا۔ قرآن مجید کی سورۃ البقرہ: 278 میں ارشاد باری ہے:

”اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو۔“

اگر تقویٰ کے ساتھ آگ یا گناہ کا ذکر ہو تو وہاں تقویٰ کے ذریعے ان سے بچنا مراد ہے۔

سورۃ البقرہ کی آیت: 24 کا مفہوم ہے کہ اس آگ سے بچو جس کا ایندھن لوگ اور پتھر ہیں۔ تقویٰ تمام انبیاء کرام کی تعلیمات کا نجوڑ ہے اور یہ وہ قیمتی سرمایہ ہے جس کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی رضا مندی اور قرب آسان ہو جاتا ہے۔ قرآن پاک میں بہت ساری آیات کریمہ تقویٰ کی اہمیت اور افادیت پر نازل ہوئی ہیں۔ تمام عبادات کا بنیادی مقصد بھی انسان کے دل میں اللہ کا خوف اور تقویٰ پیدا کرنا ہے۔ ایک مسلمان اللہ کے حکم کی وجہ سے حرام، ناجائز اور گندی عادتیں چھوڑ دے گا۔ تقویٰ اصل میں وہ قیمتی

چھاڑ کر الگ تھلگ ہو جائے اور یہ کہہ کہ میں نے اللہ سے لوگا لی ہے اور مجھے دنیا سے کچھ لینا دینا نہیں۔ حضور ﷺ سے زیادہ اللہ سے کون قریب ہو سکتا ہے۔ آپ نے معاشرہ میں رہ کر سب کچھ کیا۔ لیں دین کیا، خوشی غمی میں شریک ہوئے، معاملات نجھائے، مزدوروں کی طرح کام کیا، شادی کی، بکریاں چڑائیں، تجارت کی، مزدوری کی، ہمسایوں کے حقوق کا خیال رکھا، تبلیغ کی، تکلیفیں اور مصائب برداشت کیے۔ سفر کیے۔ بھرت کی، ان امور میں کہیں ترک دنیا کا شاید تک نہیں ملتا۔ حقوق العباد بھی عبادت ہی کے زمرے میں آتا ہے۔ ماں باپ، بیوی پچ، بہن بھائی، عزیزو اقارب، دوستوں اور ہمسایوں کے بھی حقوق ہیں۔ ان سے صرف نظر نہیں کیا جاسکتا۔

خیر الناس من ينفع الناس

”تم میں سے بہتر وہ ہے جو دوسروں کے فائدہ مند ہو۔“

یہ حدیث رہبانیت کی نفی کرتی ہے اور آخرت میں حقوق العباد کے متعلق بہت سختی سے پوچھ چکھ ہوگی۔ اس لیے اللہ تعالیٰ کی عبادت کے ساتھ ساتھ مخلوق خدا کے حقوق بھی متعین کیے گئے ہیں۔ ان سے کنارہ کشی اور فرار اللہ کی پکڑ کا موجب ہے۔

59-غیر مسلموں کے ساتھ مہربانی اور اخلاق سے کام لو

”وہ لوگ جنہوں نے تمہارے ساتھ جنگ نہیں کی ہے اور تمہیں گھروں سے نکالا بھی نہیں ہے، اللہ تمہیں منع نہیں فرماتا کہ ان سے نیکی کرو اور ان کے ساتھ انصاف سے پیش آؤ، بے شک اللہ انصاف کرنے والوں ہی سے پیار کرتا ہے۔“

(سورۃ المتحنۃ آیت: 8)

حدیث شریف میں ہے:

”تم میں سب سے اچھا وہ ہے جو اخلاق میں سب سے اچھا ہے۔“

اخلاق آدمی کے ظرف کو ظاہر کرتا ہے۔ ظرف والا انسان ہمیشہ با اخلاق ہوگا۔ بد اخلاقی انسان کی انسان سے دوری کا موجب بنتی ہے۔

خوش خلقی محبت، پیار، الفت، انسان دوستی اور ہمدردی کو نمایاں کرتی ہے۔ بد اخلاق سے کوئی مانا بھی پسند نہیں کرتا۔ لوگ ایسے شخص سے نفرت کرتے ہیں جو

بد اخلاق اور بدزبان ہو۔ خوش اخلاقی انسان دوستی کی پہچان ہے۔ یہ صفت غیر مسلم کو مسلمان اور دشمن کو دوست بنادیتی ہے۔ اگر کوئی آپ سے برا سلوک کرے اور آپ اس سے اچھا برتاؤ کریں تو وہ ضرور سوچنے پر مجبور ہوگا اور اپنے کی پرشرمندہ ہوگا کہ میں نے تو اس شخص سے برائی کی تھی لیکن اس نے میرے ساتھ حسن سلوک کا برتاؤ کیا۔ اس طرح برا آدمی اچھے آدمی کا گرویدہ ہو جائے گا اور وہ خود بھی اچھا اخلاق اپنانے کی کوشش کرے گا۔ اگر آپ غیر مسلموں سے بھی اخلاق اور محبت سے پیش آئیں گے تو ہو سکتا ہے کہ وہ آپ سے متاثر ہو کر آپ کو نقصان پہنچانے سے گریز کریں اور آپ کے حسن سلوک سے متاثر ہو کر اسلام قبول کر لیں۔ واصف علی واصف فرماتے ہیں کہ بلند خیال اور بلند اخلاق انسان شمع کی طرح جلتا ہے اور روشنی دیتا ہے۔ معلم کائنات اور معلم انسانیت خود خلق العظیم کے مرتبہ پر فائز تھے۔

60- تمام انبیاء پر ایمان لاو

”بے شک وہ جو اللہ اور اس کے رسول سے انکار کرتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ اللہ سے اس کے رسولوں کو جدا کریں اور کہیں ہم بعض کو توانتے ہیں اور بعض کو نہیں توانتے اور چاہتے ہیں کہ ایمان اور کفر کے درمیان کوئی راہ نکالیں۔“

(النساء: 150)

یہاں منافقین اور کافرین کے احوال کے اعتقادی اور عملی پہلوؤں کی پرده کشائی کی جا رہی ہے کہ کیسے ان کے دلوں میں کفر گھس جاتا ہے۔ ان کی زندگی ظلمتوں میں ڈوب جاتی ہے اور وہ اپنے عقیدوں کو اپنے بکھرے ہوئے وجود کی طرح پارہ پارہ کر لیتے ہیں۔ عقائد میں ان کے جاہلانہ تعصبات تبعیض پیدا کر دیتے ہیں۔ یہودی موسیٰ علیہ السلام کو توانتے ہیں لیکن عیسیٰ علیہ السلام کو نہیں توانتے اور عیسیٰ علیہ السلام کو مانتے ہیں لیکن عیسیٰ علیہ السلام کو مانتے ہیں لیکن حضرت محمد ﷺ کو نہیں توانتے جبکہ مسلمان تمام مسلمین کو مانتے ہیں۔ آسمانی صحیفوں کے قائل ہیں۔ وہ شخص جو وحی سے دور ہوتا ہے اپنے دین کو ریزہ ریزہ کر لیتا ہے اور نفسانی ہوا و ہوس اس پر ایسے اپنا تسلط جمالیتی ہے کہ ان کی کوئی چیز بھی درست نہیں رہتی۔ بد قسمت کافرین اگر بعض چیزوں کو تسلیم کر بھی لیں تو ان کی طبیعت اور میلان کا مجموعی کفران کی کسی جزوی تسلیم کو پرواں نہیں چڑھنے دیتا۔ قرآن مجید ان بگزے

باتی آئندہ

اگسٹ 2022ء